اکابر کا سلوک و احسان

افادات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ

تصوف کی حقیقت، سلوک کے موانع، آدابِ بیدین کی وضاحت

مقدمہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ادارہ اسلامیات

انارکلی، لاہور ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

از حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی مدّظلّہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

مذاہب، اخلاقیات، تعلیم و تربیت، اصلاح و تجدید اور علوم و فنون سب کی تاریخ میں دو مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں اور ان سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔

ایک جب کہ وسائل مقاصد بن جاتے ہیں، دوسرے جب اصطلاحات حقائق کیلئے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصدِ عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی، لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات مقاصد و حقائق کیلئے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پر ایک ضرورت کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح زور دیا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے ان سے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا

بھی حکم دیتا ہے۔ وہ ان کا محکوم ہونے کے بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب سے آگے نہ بڑھنے پائیں کہ بجائے مفید ہونے کے مُضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سدِّ راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔

لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ان مقاصدِ عالیہ کو یہ ابتلاء بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈال دئے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بنا پر جو اِن اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جُو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد اور حقائق ہی سے ایسی وحشت اور بے زاری پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا۔ جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی یا ان کو ان کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تو وسائل کے وہ پہاڑ ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے جن کے بارے میں خام اور غیرِ محقّق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا اور ہر شخص سے ان کے بارے میں بیجا اصرار کیا تھا اور وہ انہیں میں اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور جو بدیہیات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کے لئے حجاب بن گئے جن کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول، مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانہ میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کیلئے اور خاص مصالح کے ماتحت وضع کئے گئے تھے۔ ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق

کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے نا آشنا تھے انہوں نے ان حقائق کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کیلئے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کئے تھے صرف نحو، قواعد زبان علوم و بلاغت سے لیکر حقیقت و معرفت، اصلاح باطن، تزکیۂ نفس تک جس کی تاریخ دیکھی جائے اور اس فن کے متقدمین اور متأخرین کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ حقیقت سب جگہ نظر آئے گی کہ متقدمین وسائل پر حاکم متأخرین ان کے محکوم۔ محققین حقائق کے داعی و مبلّغ اور غیر محقّق پیرو اصطلاحات کے پرستار اور ان کے اسیر گرفتار ہیں۔ یہ مقاصد عالیہ دینیات اور اخلاقیات اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ اور ان کے طالبین کے لئے امتحان و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دور میں پیش آیا ہے۔

تصوف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس کے مقصد و حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو انہیں دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لینا دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بیجا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں۔ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بُغض اور کینہ، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ اور دوسرے اخلاق ذمیمہ سے نجات پانا نفس امارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں۔ نمازمیں خشوع و خضوع، دعا میں تضرع و ابتہال کی کیفیت، محاسبۂ نفس کی عادت اور سب سے بڑھکر اللہ و رسولؐ کی محبت جتنی حلاوت و لذت کا حصول یا کم سے کم اس پر شوق و اہتمام، صفائی معاملات، صدق و امانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا غصہ میں آپے سے باہر نہ ہوجانا کسی درجہ میں مطلوب ہے یا نہیں تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب دیگا کہ

یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ انہیں صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوّف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائے گی، اس لئے کہ اِس اصطلاح سے اُن کو وحشت اور اس کے بعض برخود غلط علمبرداروں اور دعوے داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظہ میں اس وقت وہ واقعات اُبھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ کرنے پر یا اُن کو قریب سے دیکھنے پر اُن کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن یہ صرف تصوّف ہی نہیں ہر علم و فن ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اُس کے حاملین و عاملین ہیں اور اُس کے داعیوں اور دعوے داروں میں اصلی و مصنوعی، محقّق و غیر محقّق، پختہ و خام، یہاں تک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دُنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ہُنر، ہر ایک میں کامل و ناقص اور رہبر و رہزن دونوں پائے جاتے ہیں، لیکن دین و دُنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدّعیوں کی وجہ سے اِس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے:۔

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گُہر سے کہ صدف سے

تصوّف کے سلسلہ میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دیدیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے

ہم نے اوپر جن مقاصد و صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوّف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوّف کو نہیں مانتے اور تصوّف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے اُس کو قبول کر لیتا ہے مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ، حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متأخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اور یہ سب چیزیں منصوص ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک کی لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ زبان خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے روکا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ و احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوّف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے۔ لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں، علوم و فنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروّجہ اصطلاحات سے پُر ہے۔ محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا اسی طرح اُنہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح و مغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کے لئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخِ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا کہ اس فن کے داعیوں مجدّدوں اور اہلِ تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لیکر مجدّد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر و لباب مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم و عادات کی اس شدّت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے

اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہوگئی تھی اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزء سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین۔ یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صاحبؒ کی مکتوبات امام ربانی ہوں۔ یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات، یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراطِ مستقیم۔ حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک و قصد السبیل، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

"نسبت صوفیاء کبریت احمر است و رسوم ایشاں ہیچ نیرزد۔"

(صوفیاء کرام کی نسبتِ باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور کیمیا ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں)، کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔

ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور اُن کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اُن کو دیکھ کر تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے اُن میں ہم نے تصوف و طریقت ہی کا نہیں دین و شریعت کا لُبِّ لُباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبوی کا پرتو، اُن کے معاملات و اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اس کی ترازو میں تُلی ہوئی دیکھی۔ ان کو ہمیشہ مقاصد و وسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا۔ رسوم سے بے پرواہ و بے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباعِ سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع

اور محیط پایا۔ وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے۔ جو اپنی خداداد بصیرت طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل حالات کا پورا لحاظ رکھتے۔ ان کی شان اس کے بارے میں مجتہدِ فن، اطباء و اضعینِ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور رٹے ہوئے سبق کا دہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبطِ نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضائے الٰہی کی طلب تصوّف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبتِ شیخ حتیٰ کہ بیعت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق کہ:۔

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

پیش نظر رسالہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک بیش قیمت کڑی ہے جس میں اپنے وقت کے ایک مصلح و مربی اور شیخ زمانہ نے ان ہی حقائق کا اظہار اور ان ہی مقاصد کی پردہ کشائی فرمائی ہے اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے جو اس راہ کے مبتدیوں اور خام کار صوفیوں کو پیش آتی ہیں اور کبھی مستقل ارشادات و ذاتی تجربات کے ضمن میں کبھی اپنے مشائخ اور بزرگوں کی حکایات کے ضمن میں تصوّف کا لبِ لباب بیان فرمایا ہے اور ان مغالطوں اور خود فریبیوں کا پردہ چاک کیا ہے جن میں اچھے اچھے لوگ گرفتار نظر آتے ہیں۔ نیز شیخ سے استفادہ کے ان آداب شرائط کا ذکر کیا ہے جن کے بغیر طویل صحبت و زیادہ سے زیادہ اظہارِ عقیدت کے باوجود بھی حقیقی نفع نہیں پہنچتا۔ برادر عزیز صوفی محمد اقبال صاحب ہوشیارپوری ہم

سب کے شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حضرت شیخ کے ان ملفوظات وافادات کو یکجا جمع کر دیا جو مسجدِ نبوی کے زیرِ سایہ مدینۂ طیبہ کی پاک سرزمین پر مختلف مجالس میں انہوں نے سُنے یا حضرت کی آپ بیتی سے انتخاب کئے، اُمید ہے کہ ان کا مطالعہ طالبین وسالکین اور مخلصین وصادقین سب کے لئے مفید چشم کشاد، بصیرت افزا ثابت ہوگا جو اس طریق کے اصل مقاصد اور مشائخ کے ساتھ تعلق کے اصل منافع کے جویاں اور اپنی اصلاح وتربیت کیلئے فکرمند اور خدا کے قُربِ رضاء کے آرزومند ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ ان کی یہ مساعی مشکور اور ان کا یہ عمل مفید ومقبول ہو۔

(مولانا) سیّد ابوالحسن علی حسینی ندوی
مدینہ منوّرہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا۔ امّا بعد۔ امام العصر فی الشریعت و الطریقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمّد زکریّا صاحب دامت برکاتہم کی فضائل کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے رُشد و ہدایت کی جیسی کچھ تاثیر ودیعت فرمائی ہے اور نفع ہو رہا ہے وہ کسی بیان کا محتاج نہیں رہا اور سارے عالم میں تلقی بالقبول ان کے مقبولیت عند اللہ کی بیّن دلیل ہے، ان میں خاص طور سے آپ بیتی جو حقیقت میں کوئی مستقل تالیف بھی نہیں بلکہ محرّم ۱۳۹۰ھ میں جب پہلی دفعہ حضرت کی ایک آنکھ کا آپریشن ہوا اور ان کی مبارک آنکھوں پر پٹّی بندھی رہتی تھی حضرت کو نیند نہیں آتی تھی اور خدام رات بھر جاگتے رہتے تھے تو وہ حضرت سے ان کی زندگی کے متفرق سوالات کرتے رہتے تھے اور چپکے چپکے نوٹ بھی کرتے رہتے تھے جس کی شروع میں حضرت کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس کے بعد یہ مستقل سلسلہ ایسا مقبول اور مفید ثابت ہوا کہ آپ بیتی کے چھ حصّے تو کئی کئی دفعہ طبع ہو چکے اور ساتواں حصّہ زیرِ تالیف ہے۔ چونکہ یہ کوئی مستقل تالیف نہیں ہے اس لئے بعض مضامین مکرر بھی آ گئے اور بعض مضامین متفرق طور پر مختلف حصّوں میں آتے رہے۔

دوستوں کی رائے ہوئی کہ اس میں سلوک و احسان کے متعلق بہت ضروری اور مفید مضامین آ گئے ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو استفادہ کرنے میں بہت سہولت ہو۔ بندہ کو بھی یہ رائے بہت پسند آئی اس لئے آج ۶ر محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۷ر جنوری ۱۹۷۶ء مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام میں اس مبارک مجموعہ کی نقل شروع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بندہ کو بھی اس کی برکات سے نوازے۔

پہلی فصل میں تصوف کی حقیقت اور ماٗخذ۔ دوسری فصل میں سلوک کے موانع اور آدابِ مُریدین۔ اور آخر میں آپ بیتی پر اضافہ کا مضمون۔

ناقل
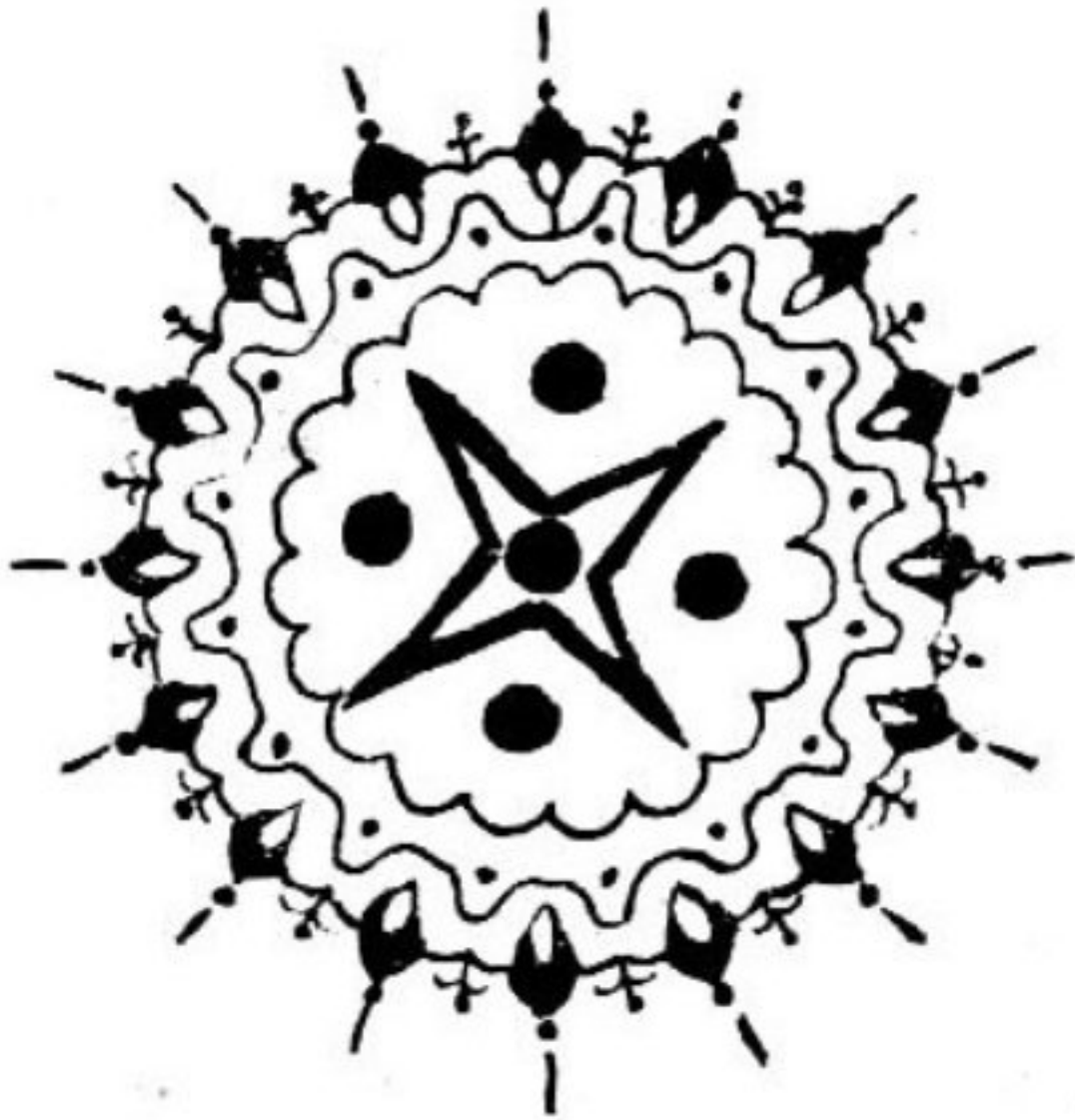
فصل ۱

تصوّف کی حقیقت اور اُس کا ماخذ

تصوّف کی حقیقت کے بارے میں حضرت شیخ کے ارشادات آپ بیتی ۶
صـ ۴۳۸ سے منقول ہیں۔

تصوّف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے، وہ ؎

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

کے سچے مصداق تھے۔ یہ حضرات ایک جانب فقہ حدیث اور علومِ ظاہریہ میں اگر ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے تو دوسری جانب تصوّف کے ائمہ جنیدؒ و شبلیؒ کے قدم بقدم۔ ان اکابر نے تصوّف کو فقہ و حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول و فعل سے بتلادیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن و حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے اور جو رسوم و بدعات اِس مبارک فن میں بُعدِ زمانہ سے بڑھ گئی تھیں اُن کو چھانٹ دیا۔ تصوّف کو بعض ناواقفوں نے ظاہر شریعت کا مخالف نہیں تو علیحدہ ضرور بنا دیا۔ یہ تو غلو ہے یا جہل۔

حقیقی تصوّف کو جس کا دوسرا نام احسان ہے حضرت جبرئیل علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے دریافت کرکے یہ واضح کر دیا کہ یہ شریعت ہی کی رُوح اور مغز ہے اور حضرت جبرئیلؑ کے اس سوال پر کہ احسان کیا چیز ہے سید الکونین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس پاک ارشاد نے:-

ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ الحدیث (تو اللہ کی عبادت ایسی کرے

گویا اُس کو دیکھ رہا ہے)

احسان کے معنیٰ اور تصوف کی حقیقت واضح کردی۔ عنوانات تو اس کے جو بھی اختیار کر لیے جاویں لیکن مرجع سب کا یہی حقیقت ہے ؎

انت الذی تعنی وانت المؤمل ‏ ‏ اوری بسعدی والرباب انما

شاعر کہتا ہے کہ چاہے میں مشہور محبوبہ سعدیٰ کا نام لوں یا معروف معشوقہ رباب کا نام، ہر چیز سے مقصود تو ہی ہے اور تو ہی مطلوب ہے۔

یہ تو حقیقت ہے۔ اس کے بعد جو چیزیں ذکر و شغل، مجاہدات و ریاضات یہ حضرات تجویز کرتے ہیں وہ حقیقت میں سب علاج ہیں چونکہ سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے اُتنا ہی قلوب میں زنگ اور امراضِ ردیہ دلوں میں پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور جیسا کہ یونانی اطباء اور ڈاکٹر جدید امراض کیلئے تجربات یا قواعد سے وقتی اور نئی نئی دوائیں تجویز کرتے ہیں اسی طرح یہ رُوحانی اطبا قلبی امراض کیلئے ہر شخص کے حال کے موافق اور ہر زمانہ کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں ہیں اُن کا ایک رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" مختصر اور قابلِ دید ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل "حدیث جبرئیلؑ" ہے جس میں آیا ہے کہ

ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ (الحدیث) چنانچہ تصوف احسان ہی کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

صوفی مقرب اور محسن کو کہتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ خود کتاب اللہ سے ۔ ہوتا ہے کہ اُمت میں مختلف درجہ کے لوگ ہیں۔ بعض ان میں سے اصحابِ یمین ہیں اور بعض کو مقربین کہا جاتا ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کو صحیح کر لے اور شرعی اوامر و نواہی کے مُطابق اپنا عمل

رکھے تو یہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب الیمین کہلاتے ہیں اور ان امور کے ساتھ ساتھ جس شخص کی غفلات بھی کم ہوں اور نوافل و طاعات کی کثرت ہو اور اُس کے قلب پر ذکر اللہ کا استیلار ہو جائے اور حق تعالیٰ سے مناجات کا تسلسل اور دوام اُس کو حاصل ہو گیا ہو ایسے شخص کو مقرب اور محسن کہتے ہیں اور اسی کو صوفی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو یحییٰ زکریاؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے ہم یہاں اُس کو ناظرین کے افادہ کیلئے بعینہٖ درج کرتے ہیں:۔

حضرت ابو یحییٰ زکریاؒ کا قول اصل رسالہ میں تو عربی عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

اور یہ حضرات جو صفاتِ بالا کے ساتھ متصف ہیں مقربین کہلاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کہ صفاتِ احسان کے ساتھ متصف ہیں اُمت کے لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ بعض اصحابِ یمین کہلاتے ہیں اور بعضوں کو مقربین کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ لہٰذا جن کا ایمان درست ہو گیا اور اُنہوں نے ماموراتِ شرعیہ پر عمل کیا وہ اصحابِ یمین کہلاتے ہیں اور جس کی غفلات کم ہو گئیں اور نوافل میں دوام و استمرار اُس کو حاصل ہو گیا اور اُس کی طاعات کثیر ہو گئیں اور ذکر اللہ کا قلب پر استیلار ہو گیا اور اپنی تمام حوائج میں حق تعالیٰ کی جانب رجوع ہونا اور اسی سے دُعا کرنا جس کا حال بن گیا وہ مقرب کہلاتا ہے اور اس شخص کو محسن کہا جاتا ہے اور اسی کو صوفی بھی کہا جاتا ہے جو صفا سے مشتق ہے۔ یعنی یہ شخص اخلاقِ مذمومہ سے پاک و صاف ہو گیا اور اخلاقِ محمودہ کے ساتھ متصف ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو محبوب بنالیا اور جملہ حرکات اور سکنات میں اُس کا محافظ اور نگراں ہو گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھ سے تقرب حاصل کرنے والوں میں کسی نے اس جیسا تقرب حاصل نہیں کیا جو کہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے یہ قربِ فرائض کہلاتا ہے اور بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یعنی ادائِ فرائض کے بعد کیونکہ (اس کے بدون نوافل سببِ قرب تو کیا ہوتے معتبر بھی نہیں) یہاں

تک اُس کو محبوب بنالیتا ہوں اور جب وہ مجھے محبوب ہوجاتا ہے تو پھر میں اُس کا کان بنجاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے یہ **قُربِ نوافل کہلاتا ہے**

بعنوان دیگر اس کو یوں کہئے کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک کے بعد مسلمانوں میں سے جو لوگ کہ اپنے وقت کے فاضل ہوتے تھے اُن کا کوئی خاص نام بجز صحابی رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ صحابیت سے بڑھکر کوئی فضل و شرف ہی نہ تھا جس کی جانب اس کو منسوب کیا جاتا۔ پھر جب صحابہؓ کا دور ختم ہوا اور قرنِ ثانی آیا تو جن حضرات نے صحابہؓ کی صحبت پائی تھی **اُن کو تابعین** کہا جانے لگا۔ اور یہی اُس وقت اُن کے حق میں سب سے بڑی تعریف سمجھی جاتی تھی۔ پھر ان کے بعد **تبع تابعین** کے لقب سے ملقب ہوئے، پھر اس کے بعد یہ ہوا کہ لوگ مختلف درجات اور متباین مراتب میں تقسیم ہوگئے تو اُس وقت خواص ناس جن کو امورِ دین کا شدت کے ساتھ اہتمام تھا "زہاد" اور "عباد" کے نام سے پکارے جانے لگے یعنی یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں عابد، فلاں زاہد۔ پھر اس کے بعد جب بدعات کا شیوع ہوگیا اور سب فرقوں میں باہم تقابل اور تنافس ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ہر فریق دعویٰ کرنے لگا کہ ان کے اندر زہاد ہیں۔ یہ دیکھ کر خواص اہلِ سُنت نے جنھوں نے اپنے لئے معیتِ الٰہیہ کو تجویز کیا اور جنھوں نے اسباب غفلت سے اپنے قلوب کی حفاظت کی، اُنھوں نے اپنے مسلک اور طریق خاص کیلئے **اسمِ تصوّف** تجویز کیا۔ چنانچہ اسی نام سے اس جماعت کے اکابر دو سو ہجری سے پہلے پہلے مشہور ہوگئے یعنی انہیں حضرات کو صوفی کہا جاتا تھا۔

تصوّف کا مصداق قرنِ اوّل میں موجود تھا

اس میں شک نہیں کہ تصوّف کا نام اگرچہ بہت دنوں کے بعد زبانوں پر آیا تاہم اس کا مصداق اسلام کے قرنِ اول میں بھی موجود تھا، جیسا کہ صاحب ابداع لکھتے ہیں:-

(یہاں اصل عبارت عربی کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے) اور تصوّف جس وقت اسلام

کے قرنِ اوّل میں ظاہر ہوا تھا تو اُس کیلئے ایک عظیم شان تھی، یعنی وہ ایک عظیم المرتبت چیز تھی۔ اور ابتدأ اس سے مقصود تقویم اخلاق۔ تہذیب نفوس اور طبائع کو اعمالِ دین کا خوگر بنانا اور ان کو اس کی جانب کھینچکر لانا اور دین و شریعت کو نفس کی طبیعت اور اس کا وجدان بنانا نیز دین کے حکم و اسرار سے تدریجاً نفس کو واقف کرانا تھا (ترجمہ ختم ہوا)

اور یہ ظاہر ہے کہ ان مقاصد میں سے ہر ہر مقصد اپنی جگہ پر نہایت ہی صحیح۔ ضروری اور شریعت کے عین مطابق تھا، اس لئے ان سے کسی کو اختلاف یا انکار نہ ہونا چاہیئے۔

تعریفِ تصوّف

غرض تصوّف ایک عظیم الشان چیز تھی جس کی تعریف علمائے تصوّف نے یہ فرمائی ہے کہ ھو علم الخ وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ، اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں جس کی غرض ابدی سعادت کی تحصیل ہے اب آپ خود غور فرمائیے کہ اس میں سے کونسی چیز غلط۔ نفس کا تزکیہ غلط ہے یا اخلاق کا تصفیہ بُرا ہے ظاہر و باطن کی تعمیر لغو ہے؟ یا سعادتِ ابدیہ کی تحصیل بیکار ہے اسی طرح تقویم اخلاق۔ تہذیبِ نفس۔ نیز نفس کو اعمالِ دین کا خوگر بنانا اور شریعت کو نفس کے حق میں وجدان بنالینا ان امور میں کونسی شئے مقاصد شرع کے خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک شئے کتاب و سنّت کے عین مطابق اور اللہ و رسول صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم کے منشار کو پورا کرنے والی ہے۔

غرض جس تصوّف کے اثبات کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اصطلاحِ شرع میں احسان کہتے ہیں، یا جس کو علم الاخلاق کہا جاتا ہے یا تعمیر الظاہر والباطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ ایک بانظم و بااصول چیز ہے اس میں مریدین کیلئے بھی شرائط ہیں اور شیخ کیلئے بھی اصول و آداب ہیں، جن کی رعایت کرنے کے بعد اس کو شریعت کا مغز اور دین کا

لب لباب کہنا بجا ہے۔ اور جب ان شرائط و آداب کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ غیرِ تصوّف کو تصوّف قرار دیدیا جائے تو پھر وہ طریق ہی نہیں جو ہمارا موضوع بحث ہے اس لئے کہ ان کی خرابیوں اور ان پہ عمل کرنے کی وجہ سے سالک میں جو خرابیاں پیدا ہوں اس کا ذمّہ دار کسی طرح حقیقی تصوّف اور اصل طریق کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اب اگر آپ کو تصوّف سے محض اس بناء پر چڑ اور انکار ہے کہ اس کا نام محدث ہے تو اس میں تصوّف ہی متفرد نہیں نامعلوم کتنی چیزیں اس وقت موجود ہیں کہ آپ کا ان سے تعلق بھی ہے جو کہ ابتداءِ اسلام میں ان ناموں سے معروف نہ تھیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا نام بدعت ہے تو مسمّٰی تو اس کا بدعت نہیں۔ آپ اس کو احسان سے تعبیر کیجئے، علم الاخلاق اس کا نام رکھ لیجئے اور جو شخص کہ اس سے متصف ہو اُس کو محسن اور متقرّب متّقی اور مخلص کہہ لیجئے اور احسان و محسن اور متّقی و مخلص کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے، حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوّر اللہ مرقدہٗ تفہیماتِ الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ (اصل کتاب میں صرف عربی عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے) حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جس چیز کی دعوت دی اُن میں سب سے مہتم بالشان اُمور تین ہیں۔ (۱) تصحیح عقائد جس کا ذمّہ علماءِ اُمت کے اہلِ اصول نے اُٹھایا ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ (۲) دوسری چیز اعمال کا صحیح طور پر ادا کرنا اور سنّت کے موافق ان سب کو ادا کرنا۔ اس فن کو اُمّت کے فقہاء نے اپنے ذمّہ لیا جن کی کوششوں سے اللہ جلّ شانہٗ نے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ فرقوں کے اعمال کو راہِ راست پر لائے۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے احسان کا بیان فرمایا ہے اور آیات و احادیث سے اس کو مبرہن فرمایا ہے۔ چنانچہ

لکھتے ہیں کہ تصحیح اخلاص و احسان کو جو اس دین کی اصل ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے آیات، احادیث اخلاص و احسان کی تحریر فرماکر تحریر فرمایا ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تیسرا جزو شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے جملہ شرائع کے مقابلہ میں۔ بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں۔ اور اس فن کا تکفل صوفیاء نے کیا ہے کہ انہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی۔ خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔

دیکھئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص و احسان ایسی عظیم چیز ہے کہ علوم و اعمال کی ان کے بغیر حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی مضمون کو مُلا علی قاریؒ نے حدیثِ جبرئیلؑ کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس سے مُراد اخلاص ہے، اس لئے کہ اخلاص شرط ہے ایمان و اسلام کی صحت کے لئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احسان مرادف ہے اخلاص کے۔ بغیر اس کے اسلام و ایمان دونوں صحیح نہیں ہوتے اور عمل کی قبولیت بھی اسی پر منحصر ہے۔ اس کے بغیر علوم و اعمال کی کچھ حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ اعمال کے اعتبار سے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ بدون اخلاص کے وہ جسم بلا روح کے رہ جاتے ہیں، یعنی مُردہ۔ اور علوم کے اعتبار سے یُوں تشبیہ دی کہ گویا وہ الفاظ بلا معنیٰ رہ جاتے ہیں، یعنی بالکل مہمل۔

حضرتؒ شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلویؒ کا بیان

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ احسان اشارہ ہے اصل تصوّف کی طرف، اور تصوّف کے جملہ معانی جن کی طرف مشائخ طریقت اشارہ

فرماتے ہیں اسی طرف راجح ہیں۔ آگے شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ علمِ حدیث بالذات ہر چیز پر مقدم ہے لیکن حقیقت میں تصوف کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح ہے۔

علامہ شامیؒ کا بیان

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ طریقت شریعت پر عمل کرنے کا نام ہے، اور شریعت اعمالِ ظاہرہ کا نام ہے اور یہ دونوں اور حقیقت تینوں چیزیں آپس میں متلازم ہیں۔

حضرت امام ربانی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ

چنانچہ حضرت امام ربانی گنگوہیؒ نور اللہ مرقدہٗ بھی اپنے مکاتیب میں تحریر فرماتے ہیں کہ فی الواقع شریعت بھی فرض اور مقصدِ اصلی ہے، طریقت بھی شریعتِ باطنی ہے اور حقیقت و معرفت متمم شریعت ہیں۔ اتباعِ شریعت بکمال بدون معرفت نہیں ہو سکتا (مکاتیب رشیدیہ)

مولانا وصی اللہ صاحب کا یہ رسالہ بہت طویل ہے۔ اس کا اقتباس بھی بہت طویل ہے۔ اس میں تصوف کی حقیقت، بیعت کی ضرورت، شیخ کی شرائط اور اس کے اتباع کی ضرورت پر بہت زیادہ طویل کلام کیا گیا ہے، اس کا اختصار بھی بہت طول کو چاہتا ہے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب کا بیان حقیقتِ تصوف میں

اسی طرح حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت امام ربانی گنگوہی قدس سرہ کی سوانح تذکرۃ الرشید حصہ دوم میں طریقت کے عنوان میں اس کی حقیقت، اس کی ضرورت پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "سلوک نام ہے

تعمیر الظاہر والباطن، یعنی اعضاء ظاہر اور قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی طاعت و خدمت میں مشغول رکھنا، بایں طور کہ ہادی عالم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس درجہ خو اور عادت پڑ جائے کہ سنتِ نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے۔ تکلف کی حاجت نہ رہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شے نہیں۔ یہی ایمان جس کا ہر مسلمان مدعی ہے اصل سلوک ہے بشرطیکہ اس کی اصلیت اور حلاوت قلب کو عطا ہو جائے یہی جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے اصل درویشی اور طریقت ہے مگر اُس وقت جبکہ اعضاء سے متعدی ہو کر قلب تک پہنچ جائے اور عمل و اکتسابِ قلبی اُنس و تعلق کا ثمرہ بن جائے۔

عامی آدمی اور صاحبِ نسبت کی عبادت کا فرق

ایک بیمار شخص جس کو مطلق بھوک نہ معلوم ہو طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے مگر جبراً و قہراً تاکہ طاقت بنی رہے دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی و صحتِ تامہ صادق اشتہا پر غذا کھا رہا ہے، غذا کھانے میں دونوں برابر ہیں مگر ایک جبر و کراہت سے کھا رہا ہے اور دوسرا رغبت و اشتہا سے۔ اسی طرح عامی آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفس کو مجبور بنا کر اور صاحبِ نسبت ولی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں درجہ کہ دل کا تقاضہ اس طاعت میں مشغول ہونے پر اس کو مجبور کر رہا ہے۔ اس صحتِ کاملہ کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی ہے اور اس روحانی غذا کو جس کو شریعت کہا جاتا ہے سچا خواہشمند اور شیدا بنا دیتا ہے۔ مولانا نے تصوف کی حقیقت اور اس کی ضرورت وغیرہ امور پر طویل کلام کرنے کے بعد حضرت امام ربانی کی ایک تحریر نقل کی ہے۔

حضرت امام ربّانی گنگوہی قدس سرّہٗ کی تحریر

جو حضرت قدس سرہٗ نے اپنے اوائل عمر میں معلوم نہیں کس ضرورت سے تحریر فرمائی تھی اُس کو تبرکاً بعینہٖ مع ترجمہ مولانا امیر تھیؒ نقل کراتا ہوں حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

علم الصّوفیۃ علم الدّین ظاھرًا و باطنًا وھو العلم الاعلیٰ حالھم اصلاح الاخلاق ودوام الافتقار الی اللہ تعالیٰ۔

حقیقۃ التصوّف التخلّق باخلاق اللہ تعالیٰ وسلب الارادۃ وکون العبد فی رضاء اللہ تعالیٰ۔

اخلاق الصّوفیۃ ما ھو خلقہ علیہ السّلام بقولہ انّك لعلیٰ خلق عظیم وما ورد بہ الحدیث وتفصیل اخلاقھم ھکذا۔ التواضع ضدہٗ الکِبر۔ المداراۃ واحتمال الاذیٰ عن الخلق۔ المعاملۃ برفق وخلق حسن وترك غضب وغیظ۔ المواسات والایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق وھو تقدیم حقوق الخلق علے حظوظہ۔ السّخاوۃ۔ التجاوز والعفو طلاقۃ الوجہ والبشرۃ۔ السّھولۃ ولین الجانب ترک التعسّف والتکلّف۔ انفاق بلا اقتار وترک الادخار۔ التوکّل۔ القناعۃ بیسیر من الدّنیا۔ الورع ترك المراء والجدال۔ والعتب اِلّا بحق ترك الغل والحقد والحسد ترك المال والجاہ۔ وفاء الوعد۔ الحلم۔ الاناءۃ۔ التواد والتوافق مع الاخوان والعزلۃ عن الاغیار۔ شکر المنعم

بذل الجاہ للمسلمین۔ الصوفی یھذب الظاھر والباطن فی الاخلاق۔ والتصوف ادب کلہ۔ ادب الحضرۃ الالٰھیۃ الاعراض عما سواہ حیاءً و اجلالاً وھیبۃ۔ اسوء المعاصی حدیث النفس وسبب الظلمۃ۔

ترجمہ

صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوتِ یقین کا، اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔

تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا ہے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔

صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خُلق ہے جسبِ فرمان خداوندی کہ بے شک تم بڑے خُلق پر پیدا کیے گئے ہو، اور جو کچھ حدیث میں آیا ہے اُس پر عمل اخلاق صوفیاء میں داخل ہے۔ صوفیاء کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے:۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اور اس کی ضد ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خُلقی کا معاملہ کرنا غیظ و غضب کو چھوڑ دینا، ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر بشرط شفقت کے ساتھ۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِ نفسانی پر مقدم رکھا جائے، سخاوت کرنا۔ درگذر اور خطار کا معاف کرنا خندہ رُوئی اور بشاشت جسم سہولت اور نرم پہلو رکھنا، تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا

خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو، خدا پر بھروسہ رکھنا۔ تھوڑی سی دُنیا پر قناعت کرنا۔ پرہیز گاری، جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ۔ بغض و کینہ و حسد نہ کرنا۔ عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا۔ وعدہ پُورا کرنا۔ بُردباری۔ دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت کرنا۔ اغیار سے علیحدہ رہنا۔ محسن کی شکرگذاری جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے مُنہ پھیر لیا جائے۔ شرم کے مارے اللہ تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب بدترین معصیت ہے تحدیثِ نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔ (تذکرۃ الرشید صہ ۱۲/۲)

امام ربانی قدس سرہٗ کی یہ چند سطور سرنامہ اور عنوان ہے ان تمام مباحث کا جو طریقت کے شریف فن میں ہزارہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کئے ہیں۔

رئیس الاحرار کا سوال۔ یہ تصوّف کیا بلا ہے؟

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رئیس الاحرار نے مجھ سے پُوچھا تھا بہت عرصہ کی بات ہو گئی کہ "یہ تصوف کیا بَلا ہے؟" بہت دلچسپ قصہ ہے۔ مفصل تو اپنی جگہ گذر چکا۔ اس ناکارہ نے اس وقت یہ جواب دیا تھا کہ تصوّف کی حقیقت صرف تصحیح نیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتداء "انما الاعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہاء "اَنْ تعبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" ہے اس کو یادداشت کہتے ہیں اس کو حضوری کہتے ہیں اسی کو نسبت کہتے ہیں۔ میں نے کہا مولانا سارے پاپڑ اس ایک

بات کیلئے چلے جاتے ہیں، اسی کیلئے ذکر و شغل ہوتا ہے، اسی کیلئے مجاہدے اور مراقبے ہوتے ہیں جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے اس کو کسی کی بھی ضرورت نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے، اُن کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماءِ اُمت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج تجویز فرمائے جیسا کہ اطبّاء بدنی امراض کے علاج کیلئے تجویز کرتے ہیں۔

رُوحانی اطباء روحانی امراض کے لئے ہر زمانہ کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے نسخے تجویز فرماتے ہیں جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے۔

پیدل دریا پار ہونے کا قصہ حضرت شیخ دام مجدہم فرماتے ہیں کہ ایک قصہ میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے سنا اور کئی مرتبہ سنا، اور میں نے بھی حدیث کے اسباق میں اور دوستوں کی مجالس میں ہزاروں مرتبہ اس کو سنایا ہو گا وہ یہ ہے کہ:۔

قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے، ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی معلوم نہیں ابھی ایسا ہے یا نہیں جمنا کا ہر جگہ دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانہ میں لوگ جوتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں۔ جہاں پانی زیادہ ہو وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں۔ ملاح دو چار پیسے لیکر اِدھر سے اُدھر پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن جب جمنا طغیانی پر ہو تو پھر عبور ناممکن ہوتا ہے۔

ایک شخص پانی پت کا رہنے والا جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی اور نہایت زور۔ وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد درآمد کرتا، مگر ہر شخص کا ایک جواب کہ اس میں تیرے ساتھ اپنے آپ کو ڈبوئیں گے۔ وہ بے چارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا ایک شخص نے اُس کی بدحالی دیکھکر کہا کہ اگر میرا نام نہ لے تو ترکیب میں بتلاؤں۔ جمنا کے قریب

فلاں جگہ ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے۔ اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے پڑے رہتے ہیں، ان کے جاکر سر ہوجا۔ خوشامد، منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہوسکے کسر نہ چھوڑنا اور وہ جتنا بھی بُرا بھلا کہیں، حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں بھی تو مُنہ نہ موڑنا۔ چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور اُن سے خوشامد درآمد کی اور اُنہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں، میں کیا کرسکتا ہوں۔ مگر جب یہ روتا ہی رہا (اور رونا تو بڑے کام کی چیز ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے) تو ان بزرگ نے کہا کہ جمنا سے کہدے کہ اس شخص نے جس نے نہ عمر بھر کچھ کھایا نہ بیوی کے پاس گیا اُس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دیدے۔ چنانچہ یہ گیا اور جمنا نے راستہ دیدیا۔ اُس کا تو کام ہوگیا۔ اس میں کوئی استبعاد نہیں۔ پہلے انبیاء کے معجزات اس اُمت کی کرامات ہیں اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کرامؓ کے تواریخ میں منقول ہیں اور "کراماتِ صحابہ رضی اللہ عنہم" تو مستقل ایک رسالہ حضرت تھانویؒ کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ جس میں علاء بن حضرمیؓ صحابی کی ماتحتی میں ایک جہاد میں جو کسریٰ سے ہوا تھا سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر کو پار کرلینا جس میں زینیں بھی نہ بھیگیں نقل کیا گیا۔ عامل کسریٰ یہ دیکھکر ایک کشتی میں بیٹھکر یہ کہتا ہوا بھاگ گیا کہ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے۔ اس واقعہ کو ابن عبدالبر اور تاج الدین سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

اس جھونپڑی میں جس کا اُوپر ذکر آیا اُن بزرگ کے بیوی بچے بھی تھے۔ دین داروں کی بیویاں ڈیڑھ خصم ہوتی ہیں۔ یہ بے چارے اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں زیادتی نہ ہوجائے وہ اس سے غلط فائدہ اُٹھا کر سر پر چڑھ جاتی ہیں۔ ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کیا کہ تونے عمر بھر کچھ کھایا نہیں بغیر کھائے ہاتھی بن رہا ہے، اس کو تو تُو جانے تیرا خدا۔ مگر تونے جو یہ کہا کہ میں بیوی کے پاس کبھی نہیں گیا یہ رشتہ کی دھاڑ میں کہاں سے لائی؟ اُنہوں نے ہر چند سمجھایا کہ یہ میری ہی اولاد ہے میں نے ان کے اولاد ہونے سے انکار نہیں کیا۔ مگر اس نے

اتنا رونا چلّانا شروع کیا کہ تو نے تو میرا مُنہ کالا کر دیا، وہ ساری دُنیا میں جاکر کیا کہیگا کہ پیر صاحب بیوی کے پاس تو گئے نہیں یہ اولاد کہاں سے آگئی۔ ہر چند پیر صاحب نے سمجھانا چاہا مگر اس کی عقل میں نہیں آیا۔ اور جتنا جتنا وہ کہتے، وہ روتی۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ان پیر صاحب نے یوں کہا کہ میں نے ساری عمر خوب کھایا، اللہ کا شکر ہے۔ اور تیرے سے صحبت بھی ہمیشہ خوب کی۔ تجھے بھی معلوم ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں نے بچپن میں ایک مولانا سے وعظ میں ایک بات سُنی تھی۔ وہ یہ کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے وہ دُنیا نہیں دین بن جاتا ہے اور عبادت بن جاتا ہے اور ثواب بن جاتا ہے۔ اُس وقت سے میں نے جب بھی کوئی چیز کھائی تو اس نیت سے کھائی کہ اس سے اللہ کی عبادت پر قوت حاصل ہو یا اس نیت سے کھائی کہ لانے والے اور کھلانے والے کا دل خوش ہو۔ اسی طرح سے میں شادی کے بعد سے تیرے پاس خوب گیا لیکن یہ قصہ پہلے سے سُنا ہوا تھا۔ اس لئے جب بھی میں تیرے پاس گیا تیرا حق ادا کرنے کی نیت پہلے سے کرلی کہ اللہ نے بیوی کا حق رکھا ہے۔ میں نے تو یہ قصہ اپنے والد صاحب سے بار بار ایسے ہی سُنا مگر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب دام مجدہم نے حضرت الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجدّدی نقشبندی بھوپالیؒ کے جو ملفوظ جمع کئے ہیں اُس کے صفحہ ۱۵۶ پر یہ قصہ دوسری نوع سے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:-

حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر تھے۔ دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر۔ ایک بزرگ نے جو متاہل اور صاحب اولاد تھے اپنی بیوی سے کہا کہ کھلنے کا ایک خوان لگا کر دریا کے دوسرے کنارے پر جو دوسرے بزرگ رہتے ہیں ان کے پاس لے جاؤ اور اُن کو کھانا کھلا آؤ۔ بیوی نے کہا کہ دریا گہرا ہے میں اس کو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے جاؤں گی۔ فرمایا، جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا نام لیکر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر کے درمیان وہ تعلق ہوا جو زن وشوہر میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے ورنہ

میں پار ہو جاؤں۔ اس نے یہی کہا۔ یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہوگیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہوگئیں۔ انہوں نے کھانے کا خوان ان بزرگ کو پیش کیا۔ انہوں نے اس کو اکیلے تناول فرمالیا (یعنی ختم کر دیا) جب واپس ہونے کا وقت ہوا تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہوگیا اب جاتے وقت کیا کہوں؟ ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں دریا سے کیسے پار ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اب جائے تو میرا نام لیکر کہنا کہ اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو تو میں ڈوب جاؤں ورنہ پار ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ پار ہوگئیں۔ اب انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحبِ اولاد ہو کر خلاف واقعہ بات کیوں کہی۔ اور ان بزرگ نے آنکھوں کے سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امرِ الٰہی سے کیا۔ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ امرِ الٰہی سے کیا۔ نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا اور دنیا جو کچھ کرتی ہے اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضہ کو پورا کرنا ہے امرِ الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا۔ اس لئے دنیا جس کو ازدواجی تعلق، شکم پروری اور نائو نوش سمجھتی ہے ہم دونوں میں سے کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ پہلا ہو، اس قسم کے واقعات متعدد ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے اِس قسم کے واقعات پانی پر چلنا، دریا میں گھوڑوں کو اُتار دینا مشہور ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پاک ارشاد ہے جو مشکوٰۃ شریف کے

"باب صلوٰۃ الضحیٰ" میں منقول ہے کہ آدمی کے ۳۶۰ جوڑ ہیں، جب آدمی صبح صحیح و سالم تندرست اُٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی صحت و سلامتی کے بدلہ اُس کے ذمّہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب

ہوتا ہے۔ ایک دفعہ سُبحان اللہ کہنا ایک صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے لا الٰہ الّا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے، راستہ میں سے کوئی تکلیف دہ چیز کانٹا وغیرہ ہٹا دینا صدقہ ہے، آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے یہ بھی صدقہ ہے اور دُو رکعت چاشت کی نماز ان سارے ۳۶۰ صدقوں کا قائم مقام ہے (اس لئے کہ نماز کے اندر ہر جوڑ سے کام پڑتا ہے اس لئے نماز کی دُو رکعت سب کے قائم مقام ہوجاتی ہے) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسُول اللہؐ! آدمی اپنی بیوی سے شہوت پُوری کرتا ہے اُس میں بھی صدقہ ہے؟ صحابۂ کرامؓ کو اللہ جلّ شانہٗ نے بہت ہی درجاتِ عالیہ اپنی اور اُن کی شایانِ شان عطا فرمائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ذرا ذرا سی بات دریافت کرکے اُمّت کیلئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہؓ کے اشکال پر یُوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل رکھے یعنی حرام کاری کرے تو کیا یہ گناہ نہ ہوگا صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور ہوگا۔ تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا پھر یعنی حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوا۔ اس کی تائید بہت سی روایات اور مضامین سے بھی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کا لُطف و احسان اور اُس کے پاک رسُولؐ کی برکتیں تو لاتعد ولاتحصی ہیں مگر ہم لوگ اپنی ناقدری سے ان قیمتی جواہرات اور موتیوں کو پاؤں سے رُوندتے ہیں، ان کی طرف التفات نہ کریں تو اپنا ہی نقصان ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پُوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اخلاص سے آگ لینے جانے میں بھی پیمبری مل جاتی ہے۔ میرے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا ایک مشہور مقولہ جو سینکڑوں دفعہ سُنا ہوگا کہ اتباعِ سُنّت کے ساتھ اتباع کی نیت سے پاخانہ جانا خلافِ سُنّت نفلیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے میں نے

اس مضمون کی ابتدا کی تھی۔

"عہدِ نبوّت میں طُرق و سَلاسِل کا نظم نہیں تھا"

ایک اشکال اور حضرت کا جواب

مکتوب یکے از مخدوم العلماء و بزرگ.........

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم گرامی برکۃ ہذہ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ درجاتہ

وافاض علینا من برکاتہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ! جب کراچی پہنچا ہوں عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں لیکن توفیق نہیں ہوئی۔ ایک طرف مشاغل کا ہجوم، دوسری طرف کسل کا ہجوم۔ آپ کو تو حق تعالیٰ نے حُسنِ نظم کی توفیق عطاء فرمائی ہے، ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے، میں اس نعمت سے محروم ہوں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، آمین۔

عزیزم محمد سلمہٗ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سُنایا، دوبارہ خود بھی پڑھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت و زیارت کیلئے دار العلوم گیا تھا وہاں بھی میں نے ذکر کیا، فرمایا کہ زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، اساتذۂ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوریٰ کا اجلاس تھا، اس مجلس میں مکتوب مبارک سُنایا گیا اور عمل کرنے کیلئے تدبیر و مشورہ پر غور بھی ہوا۔ بات تو بالکل واضح ہے، ذکر اللہ کی برکات و انوار سے جو نتائج مرتّب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں۔ اور میں اس کی تلافی کیلئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کی ضرورت ہے۔ ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسّمے تھے وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کی تدریس و

تعلیم سے غیر شعوری طور پر ایسی تربیت ہوتی تھی اور اُن کی قوتِ نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے۔ بلاشبہ کاملین کا دَور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کیلئے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔ حق تعالے جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ البتہ ایک اشکال ذہن میں آیا کہ ویسے تو علومِ دین، تدریسِ کُتبِ دینیہ سب ہی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں اگر اخلاص اور حُسنِ نیت نصیب ہو اور ذکر اللہ بھی اگر خدانخواستہ ریاکاری سے ہو تو عبث بلکہ وبالِ جان ہے لیکن اگر کسی درسگاہ میں تعلیم قرآنِ کریم کا شعبہ بھی ہے اور بچے تعلیم قرآن اور حفظِ قرآن میں مشغول ہیں اور الحمد للہ کہ ایسے مدارس بھی ہیں جہاں معصوم بچے اور مسافر بچے شب و روز میں بلاشبہ ۱۲ گھنٹے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ مقصد بھی الحمد للہ بہت اُونچا اور نیت بھی صالح تو کیا یہ ذکرُ اللہ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پُر نہیں کر سکتے ہیں اور یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری و ساری ہے تو الحمد للہ اچھا خاصہ بدل ملجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عہدِ نبوت میں یہ سلاسل و طرق کا نظام تو نہیں تھا بلکہ تلاوتِ قرآن کریم، مختلف اوقات و اعمال کے اذکار و ادعیہ اور صحبتِ مقدسہ قیامِ لیل وغیرہ کی صورت تھی لبظاہر اگر اس قسم کی کوئی صورت مستقل قائم ہو تو شاید فی الجملہ بدل بن سکیگا۔ ہاں یہ درست ہے کہ ذکر تبعًا ہوگا بصورت مشائخ طریقت ذاکرین کا سلسلہ شاید قصدًا و ارادۃً ہوگا شاید کچھ فرق ملحوظ خاطر عاطر ہوگا بہرحال مزید رہنمائی کا محتاج ہوں مجھے اپنے ناقص ہونے کا بے حد افسوس ہے کاش اس میں تکمیل ہوجاتی تو محض افادیت و نفع کی غرض سے متعارف سلسلہ بھی جاری کرتا اور اس طرح ایک خانقاہ کی شکل بھی بن جاتی۔ یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلباء تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف قطعًا متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد دردناک ہے۔ جب مدرسین بھی اس قوی نسبتِ سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلباء بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں اذکار و ادعیہ کا

التزام بھی نہ ہو۔ دَورِ فتنوں کا ہو حفت النّار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات و توجہات کا محتاج ہوں۔ وقت کے ضیاع کا صدمہ ہے۔ لایعنی باتوں میں مشغولیت کا خطرہ رہتا ہے۔ فقط والسّلام۔

جَواب از حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم

المخدوم المکرّم .... زاد مجدہم، بعد سلام مسنون۔

طویل انتظار کے بعد رات عشاء کے بعد ۲۰ر جنوری کی شب میں رجسٹری پہنچی، ڈاک خانہ والوں کو اللہ جلّ شانہٗ جزائے خیر دے۔ میرا ایک دوست اپنے کسی کام گیا تھا، رجسٹری والوں نے میری رجسٹری اُس کے حوالہ کر دی اور کہدیا کہ ضابطہ میں تو کل کو آئیگی کل کو جب اُس کا آدمی آئے گا تو پھر دستخط کر دیگا۔ آپ کے مشاغل کے ہجوم تو مجھے بہت معلوم ہیں اور آپ کی ہمت ہے کہ بیک وقت اتنے مشاغل کو کس طرح نمٹاتے ہیں سیاسی، علمی اور اسفار۔ اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ رجسٹری کہیں گم نہ ہوگئی ہو۔ عزیز محمّد سلمہٗ کسی آنے والے کے ہاتھ آپ کی خدمت تک پہنچ جانا لکھدیتا تو اطمینان ہوتا۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مجلس شوریٰ میں میرے عریضہ کو سنایا۔ کم سے کم ان سب حضرات کے کانوں میں تو یہ مضمون پڑ گیا۔ خدا کرے کہ کسی کے دل میں بھی یہ مضمون اُتر جائے۔ تقریباً دو سال ہوئے مفتی محمّد شفیع صاحب کا ایک خط آیا، اُنہوں نے تحریر فرمایا کہ تیری آپ بیتی میں مدرسین اور ملازمین کیلئے جو مضمون ہے مجھے بہت پسند آیا اور میں نے اپنے یہاں سب مدرسین و ملازمین کو جمع کر کے بہت اہتمام سے اس کو سُنوایا۔ عزیز محمّد کے خط سے معلوم ہوا کہ جناب نے میرا خط اپنی تمہید کے ساتھ بیّنات میں طباعت کیلئے دیدیا۔ مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ آپ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو تحریر فرمائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ

زیادہ مناسب ہوگا۔ اس میں کوئی تواضع یا تصنع نہیں کہ میری تحریر بے ربط ہوتی ہے کہ بولنے کا سلیقہ نہ لکھنے کا۔ آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے دور سے ان اکابر کو بہت کثرت سے دیکھنے کی نوبت آئی۔ بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت، اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے متعلق بہت سے جاہلوں کو میں نے خود دیکھا کہ بیعت ہونے کے بعد تہجد نہیں چھوٹا اور بعض جاہلوں کو یہاں تک دیکھا ہے کہ کوئی نیا مولوی اپنے وعظ میں کچھ ادھر اُدھر کی کہہ دیتا تو وہ آکر پوچھتے کہ فلاں مولوی صاحب نے وعظ میں یوں کہا۔ نانگل کے قریب ایک گاؤں تھا۔ اس وقت نام تو یاد نہیں رہا، میرے دوست کہتے ہیں کہ آپ بیتی میں یہ قصہ آگیا ہے۔ یہاں کے ایک رہنے والے جس کو میں شاہ جی کہا کرتا تھا ہر جمعہ کو سردی ہو یا گرمی یا بارش ہو نانگل سے پیدل چل کر جمعہ حضرت گنگوہی کے یہاں پڑھا کرتا تھا اور جمعہ کے بعد حضرت گنگوہی کی مجلس میں شریک ہو کر عصر سے پہلے چل کر عشاء کے بعد اپنے گھر پہنچ جایا کرتا تھا۔ اور حضرت شیخ الہند کا قصہ تو مشہور ہے کہ جمعرات کی شام کو مدرسہ کا سبق پڑھا کر ہمیشہ پیدل گنگوہ تشریف لیجایا کرتے تھے اور شنبہ کی شب میں عشاء کے بعد یا تہجد کے وقت گنگوہ سے چل کر شنبہ کی صبح کو دیوبند میں سبق پڑھایا کرتے تھے۔ یہ مناظر آنکھوں میں گھومتے ہیں اور دل کو تڑپاتے ہیں۔ آپ نے جو اشکال کیا وہ بالکل صحیح ہے مگر اس تالی کے مقدم کا تحقق ہو جائے تو سب کچھ ہے۔ یقیناً قرآن پاک کی اور حدیث پاک کی تعلیم تو بہت اونچی ہے اور اس میں سب کچھ ہے، اس کا مقابلہ کوئی چیز کیا کر سکتی ہے۔ مگر تابعین کے زمانہ سے قلبی امراض کی کثرت ہے۔ اس زمانہ کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا جیسے کہ امراضِ بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے امراض کے لئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں ایسے ہی اطباءِ روحانی نے قلوب کے

زنگ کیلئے ادویہ اور علاج تجویز کئے۔ میری نگاہ میں بھی ایسے اشخاص گذرے ہیں جو دورہ سے فراغ پر صاحبِ نسبت ہو جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دفن سے ہم نے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پانے لگے (أوکما قال) اس قوت تاثیر کا نمونہ اُمت کے افراد میں بھی پایا گیا۔ چنانچہ حضرت سید صاحبؒ کے لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں کہ جن کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت مل گئی۔ اس کے نظائر تو آپ کے علم میں مجھ سے زیادہ ہوں گے۔ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں تلاوتِ قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے۔ مگر یہ چیز تو قوتِ تاثیر اور کمال تأثر کی محتاج ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں۔ یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں، جیسے ڈاکٹر، یونانی، ہومیوپیتھک وغیرہ اطباءِ بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کئے ہیں۔ اسی طرح اطباءِ روحانی نے بھی تجربات یا قرآن وحدیث کے استنباطات سے امراض قلبیہ کے علاج تجویز کئے۔ قرآنِ پاک اور احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کیلئے ہی دوا دیں گے ورنہ یہ قوی غذائیں ضعفِ معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مُضر ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مزید رہنمائی کا محتاج ہوں۔ میں آپ کی کیا رہنمائی کر سکتا ہوں۔

او کہ خود گم است کرا رہبری کند

چونکہ طلباء میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی، بلکہ بعضوں میں تو اسکبار کی نوبت آجاتی ہے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کیلئے کوئی لائحہ عمل آپ جیسے حضرات

غور سے تجویز فرمائیں۔ پہلے ہر شخص کو اپنی اصلاح کا خود فکر تھا. وہ خود ہی امراض کے علاج کیلئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے. کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانانِ رسولؐ کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں ورنہ اہلِ مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیرِ اولیٰ کے بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے. فالی اللہ المشتکیٰ۔

آپ نے تو میرے مافی الضمیر کو خود ہی اپنی تحریر میں واضح فرمادیا. آپ جیسے ناقص تو ہم جیسے کاملوں سے بہت اونچے ہیں. میرا مطلب تو آپ اور مفتی شفیع صاحب وغیرہ بقیۃ السلف کو اس لائن کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ یہ پہلو بھی آپ کے ذہن میں رہے تو زیادہ اچھا تھا. میری بے ربط تحریرات تو اشاعت کے قابل نہیں ہوتیں، آپ حضرات اپنی حسن تدبیر حسنِ رائے سے مدارسِ عربیہ کے طلباء کو کم سے کم قرآن وحدیث کی عظمت اور اس سے محبت پیدا کرنے کی کوئی تجویز فرمائیں تو بہت حد تک اصلاح کی امید ہے ورنہ آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائیکوں سے مقابلہ کیا جارہا ہے ......

(بقیہ مکتوب میں دوسرا مضمون ہے)

حضرت شیخ الحدیث صاحب — مدینہ منورہ

بقلم حبیب اللہ — ۲۰—۱—۹۶ھ

تمام اذکار واشغال کا خلاصہ

ملفوظ حضرت گنگوہیؒ

۶ ررمضان المبارک ۱۳۱۲ھ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے چند خاص لوگوں کے مجمع میں جبکہ آپ بوقتِ چاشت گولر کے نیچے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ تقریر ظاہر ہوئی، اس کو ایک مولوی برکت اللہ صاحب نے اسی وقت قلم بند کرلیا تھا۔ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، وہ یہ ہے:۔

تمام اذکار واشغال ومراقبات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت حاصل رہے۔ بعض نے اس حضوری کے بھی دو درجے کردیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسم ذات مخیلہ میں قائم ہوجائے پھر اسم سے مسمّٰی کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے۔ یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ اختیار کیا تھا اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ پر نہ پڑے مثلاً باہر نکلو تو گھونگھٹ کرکے نکلو کہ کسی کو دیکھوگے تو اس کی صورت کا نقش مخیلہ کو مکدر کردیگا جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ میں ہوں بس ایسا ہی علم حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہئے۔ پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہوجائے، مگر متأخرین نے خصوصًا ہمارے سلسلے کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا ہے کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے اخلاق سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کردیا ہے پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے۔

اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دُور ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا۔ ایک روز عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے۔ فرمایا اچھا ایک بات کرو۔ اخروٹوں کا ایک ٹوکرہ بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا اُس کو ایک اخروٹ دوں گا اور جو دُو مارے گا تو دُو دوں گا، اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرہ خالی رہ جائے تب میرے پاس آؤ۔ اُس شخص نے کہا لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ، حضرت! یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ لے تو واللہ مُومن ہو جائے مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافرِ طریقت ہو گیا۔ جا نکل جا تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی۔ شیخ نے دریافت فرمایا کہ میاں درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا بس اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس بے ہودہ خیال کو جی سے نکال دو اور یُوں خیال کرو کہ اللہ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے۔ پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے

یہ ان کی حماقت ہے ان کی نیت میں فساد ہے کیسا نفع؟ کہاں کا اجر؟ یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان، یہ حواس جو حق تعالے نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے ان کے شکریہ سے تو فراغت ہولے تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے۔

حافظ زاہد حسین صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ حضرت جیسا کہ آپنے فرمایا اگر کوئی شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھے تو بس کافی ہے اور کچھ اسکے واسطے ضروری نہیں؟ آپنے ارشاد فرمایا "بس فرائض اور سُننِ مؤکدہ، اللہ کا ذکر کرنا ہی زندگی کا فائدہ ہے، باقی تمام نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر کسی سے بحضورِ قلب نہ ہوسکے زبان ہی زبان تک رہے تاہم فائدہ سے خالی نہیں"۔

(تذکرۃ الرشید صـ ۱۳/۲۸)

اطاعت کا مقصد و صحابۂ کرامؓ کی ارادت

چونکہ یہ راستہ (سلوک و معرفت) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے، اس طرح سے کہ ظاہری معروف گناہوں سے پرہیز و تقویٰ اور عبادات کی کثرت کو اپنی جگہ ہونے دیتا ہے لیکن اندر ہی اندر اُم الامراض یعنی کبر کو بڑھاتا رہتا ہے جس سے سب کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ مقصد تو بندگی ہے نہ کہ خدائی؟

طاعات و عبادات و اذکار کا مقصد بندگی ہے اور اپنے مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار کا پیدا ہونا ہے اور ہر وقت حیاء و ادب کے ساتھ اس کی حضوری میں اور رضاء مولیٰ کے ساتھ خدمت میں مصروف رہنا ہے۔ اس چیز کو شیخ کی صحبت میں سیکھنا اور اسکے

باطن سے فیض یاب ہونا یعنی اثر پذیر ہونا اس کے لئے شیخ کامل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین و نائب سمجھکر وہی معاملہ کرنا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کیا۔ اور صحابۂ کرامؓ کا معاملہ یہ تھا کہ جاہلیت کی رسوم یک لخت چھوڑ کر ایسے مطیع ہوئے کہ طاعت میں بدل وجان راضی تھے اور بال برابر بھی فرق نہ کرتے تھے۔ ان کی ساری ہمت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور اس سرِ حلقۂ محبوباں کے جمالِ باکمال کے ملاحظہ و زیارت میں مصروف تھی۔ جب آپ نے ان کو سچی ارادت میں مضبوط دیکھا تو اپنے قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ان کے قلوب میں ڈالا اور مالامال کر دیا۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ کے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے پھر انہیں حضرات کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں، اسی طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے بعد توجہ کے اقسام اور نسبتوں کے درجات کے متعلق حضرت شیخ کا ایک مضمون آپ بیتی نمبر ۵ ص۱۵۵ سے نقل کیا جاتا ہے:-

توجہ و نسبتوں کے اقسام، بیعت کی اجازت

ایک نہایت اہم مضمون جو دس بارہ سال سے یہ ناپاک ہر رمضان میں کئی کئی مرتبہ اور بغیر رمضان کے بھی اپنے خصوصی احباب سے کہتا رہا اور کہتا رہتا ہے اور مفصل و مختصر تقریر یں کرتا رہتا ہے وہ یہ کہ بیعت کی اجازت در اصل بمنزلہ مدارس کی سند کے ہے۔ جو تعلیم کی تکمیل یا اہلیت کی سند ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص علم سے فراغ کے بعد پڑھنے پڑھانے کے مشغلہ میں مشغول رہے تو علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اگر پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سلسلہ میں مثلاً زراعت، تجارت وغیرہ میں لگ جائے تو علم سے مناسبت جاتی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتِ اقدس حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کو اپنی سالانہ وصیت بسلسلہ خلفاء میں یہ لکھنا پڑتا تھا کہ فلاں صاحب دوسرے مشغلہ

میں لگ گئے ہیں اور اس مشغلہ کو چھوڑ دیا اس لئے ان کا نام خارج کرتا ہوں چنانچہ انفاس عیسٰی صـــ۱۴۳ میں حضرت حکیم الاُمّتہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "اجازت شیخ دلیلِ کمال نہیں بلکہ دلیل مناسبت ہے"۔

(حال)

زتحریر مجازیت خود شرمم می آید　　　خود بخود خیال کمال می آید

(تحقیق) ایں اعتقاد کمال نیست کہ مضر باشد وسوسہ است کہ مضر نیست درچنیں اوقات استحضار عیوب کنند و بدل آرند کہ اجازت دلیلِ کمال نیست بلکہ دلیل مناسبت است. چنانچہ دستارِ فضیلت بعد فراغ کتب می بندند اگرچہ عالم کامل نہ باشد صرف مناسبت مدار ایں رسم باشد کمال بفراسخ دور است اھ۔

ایک دوسرے مقام پر انفاسِ عیسٰی میں حضرت حکیم الامّتہ کا ارشاد ہے کہ جیسے علوم درسیہ میں سندِ فراغ دیجاتی ہے اُس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اُس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دیجاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مشغول رہے تو قوی اُمّید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدری سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضائع کردے تو اس کا الزام سند دینے والے پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے۔ اسی طرح جو کسی کو اجازت دیجاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظنِ غالب پر اجازت دیجاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف میں درجہ ضروریہ حاصل ہوگیا ہے اور اگر وہ برابر اس کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

نااہل کو اجازت بیعت | حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہٗ کا ارشاد تو یہانتک ہے کہ مشائخ بسا اوقات نااہل کو بھی اجازت دیدیتے ہیں. چنانچہ انفاسِ عیسیٰ میں لکھا ہے کہ "مشائخ بعض دفعہ کسی نااہل میں شرم وحیاء کا مادہ دیکھکر اس اُمید پر اُس کو مجاز کر دیتے ہیں کہ جب یہ دوسروں کی تربیت کریگا تو اس کی لاج وشرم سے اپنی بھی اصلاح کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن کامل ہوجائے گا۔ اسی طرح دوسرا ارشاد ہے، بعض مرتبہ غیر کامل کو مشائخ اجازت دیدیتے ہیں کہ شاید کسی طالبِ مخلص کی برکت سے اس کی بھی اصلاح ہوجائے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی پیر نااہل ہے اور اس کا مُرید کوئی مخلص ہے طالب صادق کو تو حق تعالیٰ اُس کے صدق وخلوص کی برکت سے نواز ہی لیتے ہیں جب وہ کامل ہوجاتا ہے تو پھر حق تعالیٰ پیر کو بھی کامل کردیتے ہیں کیونکہ یہ اس کی تکمیل کا ذریعہ بنا تھا۔" انتہیٰ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے نااہل کی اجازت کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے وہ بہت دقیق ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسبابِ بالا کی بناء پر نااہل کو اجازت دی جا سکتی ہے بلکہ مشائخ کے حالات میں اس قسم کی چیزیں پائی گئی ہیں۔

ایک ڈاکو کا صاحبِ نسبت ہوجانا | کہ بعض اوقات کسی مرید کی وجہ سے شیخ کی ترقی ہوئی اور خوب ہوئی، اس کے واقعات متعدد مشہور ہیں۔ ایک ڈاکو تھا، وہ اپنے ضعف و پیری میں شیخ بن گیا اور لوگوں کو بیعت بھی کرنا شروع کردیا۔ اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے یہ تو طے شدہ اور اصولِ موضوعہ ہے طالبین کو ان کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نوازا اور خوب نوازا۔ ایک مرتبہ ان طالبین کی جماعت نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے مشائخ کے مقامات کو دیکھنا شروع کیا اور سب اکابر کے مقامات معلوم ہوگئے مگر حضرت کا مقام اتنا عالی ہے کہ ہم سب مل کر بھی اُس کو نہیں پہچان سکے، اللہ کے نام میں برکت تو ہوتی ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ

کا یہ مقولہ کہیں لکھوا چکا ہوں کہ اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اس مصنوعی پیر پہ بھی اللہ کے نام کا آخر اثر ہو کر رہا، وہ مُریدوں کی یہ بات سُنکر رو دیا اور اُس نے پھر اپنی حقیقت بیان کی اور رو کر مریدوں سے درخواست کی کہ اب تم میری مدد کرو۔ ان سب نے مل کر توجّہ کی تو اللہ نے اس پیر کو بھی نواز دیا۔

اللہ والوں کی توجّہ رنگ لائے بغیر نہیں رہتی اصل چیز اخلاص ہے جس کی وجہ سے پیر کا نا اہل ہونا بھی مرید کے اخلاص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد صاحب سے ایک قصہ سُنا تھا کہ ایک ڈاکو تھا، جب تک شباب و قوّت رہی خوب ڈاکے مارے لیکن جب ضعف و پیری لاحق ہوئی اور اعضا نے جواب دیدیا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مُریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بے محنت مشقّت خوب مزے اُڑتے ہیں۔ قصّہ طویل ہے اور شاید میں اسے اور اسی قسم کے بعض اور قصّے اپنے رسائل میں لکھ بھی چکا ہوں۔ اس مصنوعی پیر کی لغویات کے ساتھ ساتھ ایک سچّا طالب اس کے پاس پہنچا۔ یہ اپنی لغویات میں مشغول تھا مگر اس کی طلب اور صدق نیت نے پیر کی خرافات کی طرف توجّہ بھی نہ ہونے دی۔ اس نے جا کر بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کیلئے آیا ہوں۔ وہ چونکہ غلطی سے ناوقت پہنچ گیا تھا اس لئے وہ اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا۔ یہ کہکر اُس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی گولوں کو صاف کرو اس کی ڈولیں بناؤ اور نالیاں درست کرو۔ وہ اسی وقت پھاوڑا لیکر تحقیق کرتا ہوا اُس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمّت شروع کر دی، باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے۔ اُس نے بہت منّت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ لینا نہیں، مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے کو اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔ اوّل اوّل

تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے، اُس کو مارا پیٹا بھی، مگر یہ دیکھکر کہ یہ نہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ۔ جو کچھ رُوکھی سُوکھی ہوتی ہے وہ کھالیتا ہے۔ تین ماہ اسی حال میں گذر گئے۔ مشہور یہ ہے کہ ابدال میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو غوثِ وقت کی مجلس میں اُس کا بدل منتخب ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی ابدال کا انتقال ہوا اور غوث کی مجلس میں انتخاب کیلئے ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے، حضرت غوث نے سبکے نام سُنکر یہ کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو۔ سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے، سچی طلب رکھتا ہے بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے۔ سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پھر سب نے مع حضرت غوث اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے اور طی الارض کرتا ہوا اور پھاوڑا باغ والوں کے یہ کہکر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جا رہا ہوں۔ ہر چند ان لوگوں نے خوشامد و منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دیجئے، مگر اُس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا سُنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہوگیا، یہی مطلب ہے اس مشہور مقولہ کا کہ "**پیر من خس است اعتقاد من بس است**" اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ خود اِس سیاہ کار کو میرے حضرت مرشدی قدس سرہٗ نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں لکھا تھا کہ میری کوئی حقیقت نہیں، میری مثال نل کی سی ہے، جتنی طلب ہوگی اُتنا ہی مبدأ فیاض سے عطا ہوگا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ آئے گا نل ہی کے ذریعہ۔

مشائخ حقہ پر اعتراض | یہ مضمون لطیف بھی ہے اور دقیق بھی۔ بعض لوگوں کو مشائخ حقہ کے بعض خلفاء پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ اس کو کیوں اجازت مل گئی، مشائخ حقہ کے خلفاء پر اعتراض نہ کرنا چاہئے کہ یہ درحقیقت مشائخ حقہ ہی پر اعتراض ہے۔ ہمیں اور تمہیں کیا معلوم

کہ مشائخ نے کس باریک بینی اور دور اندیشی سے اس کو اجازت دی ہے، تم زائد سے زائد یہ تو کر سکتے ہو کہ اگر تم کو ان سے اعتقاد نہیں تو مُرید نہ ہونا، نیز اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ مشائخ کے یہاں اجازت کے بھی مختلف طُرق ہوتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کے خلفاء دو قسم کے ہیں | شیخ الطائفہ قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت الحاج امداد اللہ صاحب کا ارشاد ہے کہ میرے خلفاء دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو میں نے از خود بلا درخواست اجازت دی ہے، وہی اصل خلفاء ہیں۔ دوسرے وہ جنھوں نے درخواست کی کہ اللہ کا نام بتلادوں، میں نے کہا بتلادیا کرو، یہ اجازت پہلے درجہ کی نہیں ہے۔ اھ

ہمارے حضرت مولانا الحاج شاہ عبد القادر صاحب کے یہاں بھی یہ دونوں طریقے رائج تھے کہ بعض کو بیعت کی اجازت دیدیا کرتے تھے اور بعض کو یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا نام بتلادیا کرو۔ میرے سامنے ایک واقعہ پیش آیا۔ میں اُس وقت حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک جگہ کے چند معزز حضرات تشریف لائے۔ اُن میں سے ایک صاحب کے متعلق انہیں کے ساتھیوں نے پوچھا کہ یہ حضرت کے خلیفہ ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے صفائی سے ارشاد فرمایا کہ نہیں میں نے اجازت نہیں دی۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی اللہ کا نام پُوچھے تو بتلادینا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خلافت یا اجازت ہوئی؟ اور حضرت حکیم الامّتؒ کے یہاں تو باقاعدہ مجازین کے دو طبقے تھے۔ ایک مجازین بالبیعت دوسرے مجازین بالصحبت۔ مضمون تو یہ بہت طویل ہے اور شاید میرے دوستوں کے پاس اس قسم کے مضامین جو میں نے مختلف مجالس میں کہے ہیں کچھ اضافہ کے ساتھ لکھے ہوئے بھی ہوں۔

اجازت کا گھمنڈ نہ ہونا چاہیئے | بہر حال مقصود یہ تھا کہ اجازت کا نہ تو گھمنڈ ہونا چاہیئے اور نہ اس کو دلیلِ کمال یا دلیلِ تکمیل سمجھنا چاہیئے بلکہ اجازت کے بعد تو محنت اور مشقت میں اور اضافہ ہونا چاہیئے۔ حضرت قطبُ الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کو اعلیٰ حضرت نے بیعت کرنیکے

آٹھویں روز خلافت و اجازت عطا فرمادی تھی اور فرمایا تھا کہ میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت قطب العالم قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں۔ وہ کونسی چیز ہے جو اعلیٰ حضرت کو حق تعالیٰ نے دی تھی اور مجھے عطا ہوئی۔ آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا تھا کہ کیا تھا (تذکرۃ الرشید جلد ۱)۔

تذکرۃ الرشید ہی میں لکھا ہے کہ بیعت کے وقت حضرت قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھ سے ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا" اچھا کیا مضائقہ ہے"۔ اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا۔ آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ "پھر تو مرمٹا" (فقط)

حضرت نے بالکل صحیح فرمایا۔ شیخ المشائخ ہونے کے بعد اخیر زمانہ تک سنا ہے کہ ذکر بالجہر نہیں چھوڑا۔ میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام اور اپنے چچاجان کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ذکر بالجہر کرتے رہے۔ اور مشائخ سلوک کا تو مقولہ مشہور ہے کہ جس چیز کی برکت سے یہاں پہنچے اب اس کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بہرحال خلافت و اجازت نہ تو کسی عجب اور بڑائی کا سبب ہونا چاہئے اور نہ اس کے بعد تساہل یا تغافل ہونا چاہئے کہ اس سے یہ دولت جاتی رہتی ہے۔ اکابر کے یہاں اجازت کے بارے میں میں نے اپنے مشائخ کو دو طریقوں پہ پایا ہے، بعض اکابر کے یہاں تسہیل پائی جیسے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے یہاں اور حضرت حکیم الامۃ کے کلام میں بھی گذر چکی ہے۔ اور بعض حضرات کے یہاں تشدد تھا۔ چنانچہ حضرت قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں حضرت کے بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے بیعت کی اجازت فرمادی ہے لیکن حضرت گنگوہی ؒ نے

فرمایا کہ میرے یہاں تو ابھی کچھ کام کرنا پڑیگا۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں بھی حضرت سہارنپوری و حضرت شیخ الہند کے یہاں بہت تشدد تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کے یہاں اوّلاً گو تشدد تھا لیکن پھر آخر میں تسہیل پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ اس ناکارہ کے ذہن میں یہ ہے

نسبت کی حقیقت کہ صوفیہ کے یہاں نسبت کے چار درجے ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے لیکن نسبت کی حقیقت کے متعلق حضرت تھانویؒ کا ایک ارشاد عام فہم ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "نسبت کے لغوی معنیٰ ہیں لگاؤ و تعلق کے اور اصطلاحی معنیٰ ہیں کہ بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی اطاعتِ دائمہ۔ ذکرِ غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضاء۔ جیسا عاشق و مطیع اور باوقار معشوق میں ہوتا ہے۔ اور صاحبِ نسبت ہونے کی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرۃ اور نفرۃ عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دُنیا داروں کی کم۔ مگر یہ پہچان خصوصاً اس کا جز اول عوام میں محجوبین کو کم ہوتی ہے اہلِ طریقت کو زیادہ جب نسبت کے معنیٰ معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحبِ نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنیٰ خاص کیفیات کو (جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا) سمجھتے ہیں یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے۔ مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔ فقط (انفاسِ عیسیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ نسبت ایک خاص نوع کے تعلق کا نام ہے اور جس قدر تعلق قوی ہوگا اُسی قدر نسبت بھی قوی ہوگی۔ عمومی تعلق تو ہر مسلمان کو اللہ جل شانہٗ سے ہے۔ لیکن یہ نسبت خاص قسم کی محبت اور خصوصی تعلق کا ثمرہ ہوتا ہے اور جیسا کہ محبت کے مراتب اور عشق کے درجات ہوتے ہیں ایسے ہی اس نسبت کے درجات بھی نہایت متفاوت اور کم و بیش ہوتے رہتے ہیں جس کا منتہا تو دریائے عشق میں ڈوب جانا ہے ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہو جانا

لیکن شیخ المشائخ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے تفسیرِ عزیزی میں نسبت کی چار قسمیں فرمائی ہیں جو سمجھنے کے اعتبار سے اور ایک دوسرے کو ممیز کرنے کے واسطے بہت مفید ہیں۔

نسبتِ انعکاسی حضرت اقدس قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں نسبت کی چار قسمیں ہیں۔ سب سے ابتدائی تو انعکاسی کہلاتی ہے، یعنی ذکر و شغل کی کثرت سے دل کا زنگ دور ہونے کے بعد اس میں آئینہ کی طرح سے ایسی صفائی اور شفافی پیدا ہو جائے کہ اس میں ہر چیز کا عکس آئینہ کی طرح ظاہر ہو جاتا ہو۔ یہ شخص جب شیخ کی خدمت میں جاتا ہے تو شیخ کے قلبی انوار اور اثرات کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے اس کو نسبتِ انعکاسی کہتے ہیں، اس کا اثر سالک کے قلب پر اُس وقت تک رہتا ہے جب تک شیخ کے پاس رہے یا اس ماحول میں رہے۔ لیکن جب شیخ کی مجلس یا وہ ماحول ختم ہو جاتا ہے تو یہ اثر بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں اس کی مثال فوٹو کی سی ہے کہ اس میں ہر وہ چیز منعکس ہو جاتی ہے جو اس کے سامنے ہو، اور جب اس کو ہٹا لیا جائے تو وہ ختم ہو جاتی ہے لیکن فوٹو کی طرح سے اس کو مصالحہ وغیرہ کے ذریعہ پختہ کر لیا جائے تو وہ پھر ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اس نسبت پر بھی بعض مشائخ اجازت دیدیتے ہیں جس کے متعلق حضرت تھانویؒ کے کلام سے اُوپر گذر چکا ہے، اگر مجاہدہ اور ریاضت سے اس کو باقی رکھا جائے تو باقی رہتا ہے بلکہ مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں یہی وہ درجہ ہے جس کو حضرت تھانویؒ نے بایں مضمون لکھا ہے کہ "بعض مرتبہ غیر کامل کو بھی مجاز بنا دیا جاتا ہے، اس کو جو ناقص یا نا اہل کہا گیا ہے وہ کمال کے اعتبار سے ہے۔ اس درجہ کی اجازت جس کو حاصل ہوتی ہے اُس کو بہت زیادہ محنت

کی نسبت ہوتی ہے تاکہ یہ باقی رہے بلکہ ترقی کر سکے ۔"

نسبت القائیہ دوسرا درجہ جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے وہ نسبتِ القائیہ ہے۔ جس کی مثال حضرت نے لکھی ہے کہ کوئی شخص چراغ لیکر اس میں تیل اور بتی ڈال کر شیخ کے پاس جائے اور اس کے عشق کی آگ میں سے لو لگائے ۔ حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ درجہ پہلے سے زیادہ قوی ہے اور اس درجہ والے کے واسطے شیخ کی مجلس میں رہنے کی شرط نہیں بلکہ شیخ کی مجلس سے غائب بھی ہو جائے تو یہ نسبت باقی رہتی ہے اور جب تک تیل اور بتی رہے گی یعنی اوراد و اشغال کا اہتمام رہے گا کہ یہی چیزیں اس مشعلِ ہدایت کی تیل اور بتیاں ہیں اُس وقت تک یہ نسبت باقی رہے گی ۔ اس نسبت کیلئے تیل بتی تو اذکار و اشغال ہیں اور بادِ مخالف یعنی معاصی وغیرہ سے حفاظت بھی ضروری ہے کہ بادِ مخالف سے چراغ گُل ہو جایا کرتا ہے ۔ یہاں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ جس درجہ کی تیل بتی میں قوت ہو گی اتنے ہی درجہ کی مخالف ہوا کو برداشت کر سکیگی یعنی اگر معمولی سا چراغ ہے تو ہوا کے ذرا سے جھونکے سے بجھ جائے گا ، گویا ذرا سی معصیت سے ختم ہو جائے گا لیکن اگر چراغ قوی ہو تو معمولی ہوا اُس کو گُل نہیں کر سکتی ۔ بندہ (حضرت شیخ الحدیث) کے خیال میں اس جگہ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ ہر شخص کو اپنی حفاظت تو نہایت اہتمام سے کرنی چاہیئے ۔ مبادا کسی معصیت کے سرزد ہونے سے یہ بجھ جائے لیکن اگر کسی دوسرے صاحبِ نسبت کے متعلق کسی واقعی یا غیر واقعی معصیت کی خبر سُنے تو ہرگز اس کی فکر میں نہ رہے ۔ نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اعتراض کی فکر کرے ، نہ معلوم اس کی مشعل کس قدر تیز ہو ۔ بندہ کے خیال میں میرے اکابر کی اکثر اجازتیں اسی نسبتِ القائیہ پر ہیں چنانچہ بہت سے اکابر اور ان کے مجازین کے حالات میں یہ دیکھنے اور سُننے میں آیا ہے کہ جب ان کو اجازت دی گئی تو ایک بجلی سی اُن میں کوند گئی جس کے اثرات مختلف ظاہر ہوئے ۔ بندہ کے خیال میں یہ بجلی کی سی جو کیفیت

کوندتی ہے یہ شیخ کی نسبت کا القا ہوتا ہے، جس کے بہت سے مظاہر دیکھے اور سُنے ہیں یہ نسبت پہلی نسبت کے بمقابل زیادہ قوی ہوتی ہے لیکن دو چیزوں کی اس میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تیل بتی کا بقار اور اس کے اہتمام کی یعنی اوراد و اشغال کی، دوسرے باد صرصر سے حفاظت کی۔ اگرچہ معمولی سی ہوا اس کو ضائع نہیں کرتی لیکن معمولی ہوا بھی ایک دم تیز ہو جاتی ہے اور معمولی معصیت بھی ایک دم کبیرہ بن جاتی ہے۔

نسبتِ اصلاحی | تیسرا درجہ جو حضرت شیخ المشائخ نے لکھا ہے وہ نسبت اصلاحی کا ہے حضرت نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ نسبت دونوں سے بہت قوی ہے۔ حضرت نے مثال لکھی ہے کہ جیسے ایک شخص نہر کھودے اور اُس کو خوب مضبوط بنائے اور اس کی ڈولیں درست کرے اور اس کو کھود کر اس کا دہانہ کسی دریا سے ملادے۔ اس دریا سے پانی کا دھارا زور شور سے اس نہر میں آجائے کہ معمولی عارض بھی پتہ ٹہنیاں، معمولی اینٹ روڑے اس کے پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے بلکہ اس کے ساتھ بہے چلے جائیں گے۔ اِلّا یہ کہ کوئی نقب اس نہر میں لگ جائے یا کوئی چٹان اس نہر میں آکر حائل ہو جائے۔

بندہ کا خیال یہ ہے کہ قدماء کی اجازتیں زیادہ تر اسی پر ہوتی تھیں کہ وہ اوّلاً تزکیۂ نفوس و اخلاق پر بہت زور لگاتے تھے اور جب نفس مزکی ہو جاتا تھا اس کے بعد اوراد و اذکار کی تلقین کے بعد اجازت مرحمت فرمایا کرتے تھے۔ اکابر کے مجاہدات اور تزکیہ کے قصے اگر لکھے جائیں تو بڑا دفتر چاہیئے اور وہ آپ بیتی بھی نہیں ہیں۔ صرف مثال کیلئے شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی قدس سرہ جو مشائخ چشتیہ کے مشاہیر مشائخ میں سے ہیں، شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے ہیں جن کا مزار شریف گنگوہ شریف میں موجود ہے ان کا واقعہ مختصر طور پر لکھواتا ہوں۔

حضرت ابو سعید گنگوہیؒ کی ریاضت

واقعہ تو جیسا اکابر سے سُنا اور کتب تواریخ میں پڑھا بھی زیادہ طویل ہے لیکن ارواحِ ثلثہ میں اس کو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی روایت سے مختصراً نقل کیا ہے اس کو بعینہٖ نقل کراتا ہوں۔

ایک روز فرمایا کہ شاہ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے۔ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال کیا۔ اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر بلخ پہنچے۔ وہاں پہنچکر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں۔ ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے، ان کو مسند پر بٹھاتے خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابو سعیدؒ نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطورِ نذر پیش کیں، اس وقت شاہ ابو سعیدؒ نے عرض کیا کہ حضرت اس دُنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کیلئے میں یہاں آیا، مجھے تو وہ دولت چاہیئے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں۔ بس اتنا سُننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جاکر بیٹھو اور کُتوں کے دانہ راتب کی رکھو۔ غرض یہ طویلہ میں آئے۔ شکاری کُتے اُن کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہلائیں دُھلائیں اور صاف سُتھرا رکھیں۔ کبھی حمام چھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کُتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اُس کو دو روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو، اب شاہ ابو سعید صاحبؒ

جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتے تو شیخ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے، چماروں کی طرح دُور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانہ کے پاس سے گذرے جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا، پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابو سعیدؒ پر پڑی۔ شاہ ابو سعیدؒ کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا، تیوری چڑھا کر بولے "نہ ہوا گنگوہ، ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا، غیر ملک ہے، شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لئے کچھ کر نہیں سکتا۔" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا۔ حضرت نے فرمایا ہاں ابھی بُو ہے صاحبزادگی کی۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابو سعیدؒ پر ڈال کر جواب سُنے کہ کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی۔ اس مرتبہ شاہ ابو سعیدؒ نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اُس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا ابھی کچھ بُو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ "اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ٹوکرا اس پر پھینک ہی دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں۔" چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ مگر اب شاہ ابو سعیدؒ بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا۔ اس لئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے "مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی، کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟" یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اُٹھا کر ٹوکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لائیں بھر دوں۔" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آکر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا بس اب کام ہو گیا۔" اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔

شاہ ابو سعیدؒ کتّوں کی زنجیر تھامے پا بر کاب ہمراہ ہو لئے۔ کتّے تھے زبردست شکاری، کھلتے پیتے توانا، اور ابو سعیدؒ بے چارے سوکھے بدن، کمزور، اس لئے کتّے اُن کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ بہتیرا کھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوتے جاتے تھے۔ آخر اُنہوں نے زنجیر کمر سے باندھ لی، شکار جو نظر پڑا تو کتّے اُس پر لپکے۔ اب شاہ ابو سعیدؒ بے چارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتّوں کو کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے۔ کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چُبھی، بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر اُنہوں نے اُف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتّوں کو روکا اور ان کو اُٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی، کتّوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان مقصود تھا سو ہو لیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں "نظام الدین میں نے تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔" صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بُلا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندانِ چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا، تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو، مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجاز حقیقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

ارشاد الملوک میں لکھا ہے کہ جب مُرید توبہ کے مقام کو صحیح کر چکے اور ورع و تقوٰی کے مقام میں قدم مضبوط جما کر زہد کے مقام میں قدم رکھے اور اپنے نفس کو ریاضت و مجاہدات سے ادب دے چکے تو اس کو خرقہ پہننا جائز ہو جاتا ہے فقط۔ اسی وجہ سے وہ حضرات اپنے خلفاء کو اجازت دینے کے بعد مختلف اقالیم میں منتقل کر دیا کرتے تھے اور وہاں کی اصلاح ان کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ ایسے درجہ کے لوگوں کو مشائخ کی خدمت میں کثرت سے حاضری کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "شیخ

کے ہوتے ہوئے اس سے استغنا بعد تکمیل بھی نہ چاہیئے کیونکہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلۂ استفادہ جاری رکھنا درجۂ ضرورت میں نہ ہے لیکن ترقیات کیلئے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ افادہ درجۂ ضرورت میں بھی رہتا ہے لہٰذا شیخِ حق سے استغنا کسی حال میں بھی نہ چاہیئے۔ اور جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت ہی متغیر ہو گئی۔ اھ (انفاس عیسیٰ)

مطلب یہ ہے کہ ضرورتِ استفادہ دوسری چیز ہے اور استغنا دوسری چیز ہے یعنی اپنے کو شیخ سے مستغنی اور اپنے کو مستقل سمجھے تو یہ یقیناً مضر ہے، بلکہ بعض اوقات کمال کے بعد بھی کبھی کبھی احتیاج پیش آجاتی ہے۔ اسی بناء پر میں نے اپنے حضرت قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ کو بارہا کہتے ہوئے سنا اور بعض خطوط میں خود ہی اس ناکارہ سے لکھوایا کہ میرے بعد اگر کہیں مشورہ کی نوبت آجائے تو فلاں فلاں سے کرتے رہیں۔ البتہ یہاں ایک نہایت اہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ شیخ سے یا جن لوگوں کا شیخ نے نام بتلا دیا ہو یا جو شیخ کے مسلک پر ہوں اور دلالۃ حال سے ان سے رجوع و مشورہ شیخ سے رجوع و مشورہ کے خلاف نہ ہو ایسے لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے اور مشورہ لیا جائے۔ اور جن کا مسلک شیخ کے مسلک کے خلاف ہو اور انداز سے یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ ان سے رجوع یا مشورہ کو پسند نہ کریں گے تو ان سے رجوع نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت تھانوی ؒ نے بھی انفاس عیسیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ کے ماسوا دوسرے شیخ کی خدمت میں دو شرط سے جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کا مذاق شیخ کے مذاق کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس سے تعلیم و تربیت میں سوال نہ کرے فقط۔ اور عوام کیلئے اس سے بھی زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ شیخ کی زندگی میں سلوک و احوال کے متعلق کسی دوسرے سے رجوع نہ کرے، بجز اس کے کہ خود شیخ سے قولاً یا دلالتاً ان سے رجوع کرنے کی اجازت ہو، اور بعض جاہل جو اس فن سے بالکل ہی

نابلد ہیں اور بالکل ہی احمق ہیں وہ یہ ظلم کرتے ہیں جس کا آجکل بہت ہی زور ہو رہا ہے کہ بیک وقت کئی کئی مشائخ سے بیعت ہو جاتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں وہیں بیعت ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں مشائخ کو بھی اس پر تنبیہ کر دینی چاہیئے کہ جو شخص اہلِ حق میں سے کسی ایسے شخص سے مرید ہو کہ وہ ابھی حیات ہے تو دوسرے سے بیعت نہ ہو۔ اس مرتبہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ معمولی عارض پتے ٹہنیاں معمولی اینٹ روڑے اس کے پانی کے سیل کو نہیں روک سکتے۔ بندہ کے خیال میں اس سے مراد حیوانی تقاصیر ہیں۔ شیطانی تقاصیر بہت سخت ہیں، وہ بمنزلہ چٹان کے ہیں جس کو میں اپنے رسالہ "اسٹرائیک" میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں اور اسی درجہ میں شیخ کی ناراضی اور اس کا تکدر بھی داخل ہے۔ میں رسالہ اسٹرائیک میں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ہمارے سلسلہ کا مدار عقیدت اور محبت پر ہے۔ یعنی شیخ کی طرف سے محبت اور مرید کی طرف سے عقیدت ہو مشائخِ سلوک کا مشہور مقولہ ہے کہ شیخ کی معمولی ناراضی اتنی مضر نہیں جتنی مرید کی طرف سے عقیدت میں کوتاہی مضر ہے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے انفاسِ عیسیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ طریقِ باطن میں اعتراض اس قدر برا ہے کہ بعض اوقات کبائر سے برکات منقطع نہیں ہوتے مگر اعتراض سے فوراً منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس طریق میں یا تو کامل اتباع اختیار کرے ورنہ علیحدگی اختیار کرے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے والا برکاتِ باطنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے کیا وہ بھی قطع ہو جاتی ہے؟ فرمایا کہ ہاں ایسے شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے وہ بھی قطع ہو جاتی ہے۔ گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے گو معصیت نہیں مگر خاص اثر اس کا

معصیت سے بھی زیادہ ہے۔ اس طریق میں سب کوتاہیوں کا تحمل ہو جاتا ہے مگر اعتراض اور گستاخی کا نہیں ہوتا۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق گردد اندر وادیِ حسرت غریق

ہر کہ بیباکی کند در راہ دوست رہزن مرداں شد و نامرد اوست

اس نسبت والے اکابر مشائخ سے اگر کوئی لغزش عوام کی نگاہ میں محسوس ہو تو اس پر اعتراض ہرگز نہ کریں کیا بعید ہے کہ اس لغزش کو ان کی نسبت کا سیلاب بہا کے لئے چلا جائے۔ اور تم اس کی عیب جوئی اور لغزشوں پر نگاہ کر کے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو ایک اہم وصیت فرمائی ہے۔ جو ابو داؤد شریف میں بہت تفصیل سے ہے۔ اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حکیم سے بھی بعض باتیں گمراہی کی نکل جاتی ہیں اور منافق بھی بعض مرتبہ کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا، اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ حکیم کی بات گمراہی کی ہے۔ حضرت معاذؓ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم کی ایسی باتوں سے اجتناب کر جس کو لوگ (علماء حق) یوں کہیں کہ فلاں نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ لیکن یہ بات تجھ کو اُس حکیم سے دور نہ کر دے۔ کیا بعید ہے کہ وہ حکیم تو عنقریب اپنی بات سے رُجوع کر لے (یا اپنے فعل سے توبہ کر لے) اور تو ہمیشہ کیلئے اس سے محروم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ علماء حقہ کی غلط بات میں پیروی تو نہ کی جائے اور نہ ہی ان کے اس قسم کے قول و فعل کا اتباع کیا جائے لیکن ان پر سب و شتم نہ کیا جائے اس میں بڑے مضرات ہیں جن کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں بہت تفصیل سے لکھ چکا۔ یہاں نہایت ہی اہم اور نہایت ہی ضروری امر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس نسبت والے اکابر کے کسی نامناسب فعل میں اتباع ہرگز نہ کیا جائے اگرچہ یہ مضمون اوپر بھی آچکا مگر اہتمام کی وجہ سے میں دوبارہ لکھتا ہوں۔ مثلاً نسبتِ القائی

والے ان حضرات کی کسی لغزش میں یہ سمجھ کر اتباع کریں کہ یہ امر فلاں حضرت نے بھی کیا ہے یا کہا ہے تو ان کیلئے سخت مضر ہے، اس لئے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ نسبتِ القائی والوں کیلئے ذرا سا مانع بھی ان کے نسبت کے زوال کا سبب ہوتا ہے اور اس نسبت والے حضرات کی لغزشیں سیلاب میں بھی بہہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا راتوں کا چپکے چپکے رونا نہ صرف کفارہ بلکہ بسا اوقات فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات کا مصداق بن جاتا ہے اور نسبتِ القائی والا ان کی حرص کر کے اپنے کو نیچے گرا دیگا۔ اور جب نسبتِ القائی والے کا یہ حال ہے تو انعکاسی والے کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہ بہت ہی اہم اور قابلِ لحاظ بات ہے۔ میں بسا اوقات بعض مبتدیوں کو بعض منتہیوں کی لغزشوں میں حرص کر کے اپنی جگہ سے بہت دور گرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نسبتِ اتّحادی حضرت شاہ صاحب نے نسبت کی چوتھی قسم اتحادی بتلائی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اپنی نسبتِ رُوحانیہ کو جو حاملِ کمالاتِ عالیہ ہے مرید کی رُوح کے ساتھ قوت سے کر دے اور اپنی نسبت کو قوت کے ساتھ دبوچ کر یا اور کسی طرح سے مرید کے قلب میں پیوست کر دے اور گویا شیخ و مرید میں روحانی اعتبار سے کوئی فرق نہ رہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضرت شاہ صاحب نے اس چوتھی نسبت کی مثال میں ایک عجیب قصہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شیخ تھے ان کا مزار مقدس دہلی میں ہے ان کے متعلق لکھا ہے ان حضرات کو کوئی شخص ہدایا دے تو بعض اوقات بڑی گرانی سے محض ہدیہ دینے والے کی دلداری کی بنا پر قبول کرتے ہیں لیکن جو ہدیہ غایت احتیاج کے وقت آئے اُس کو بہت ہی قدر سے قبول کرتے ہیں۔ اس وقت کی دُعا بہت دل سے نکلتی ہے۔ ایسے وقت کی دعاؤں میں معطی کیلئے یہ

حضرات جو کچھ مانگتے ہیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرمادیتے ہیں۔ ایسے وقت کی دُعائیں ہر وقت نہیں ہوتیں لیکن جب ہوتی ہیں تو تیر بہدف ہوتی ہیں اور بہت جلد پُوری ہوتی ہیں۔ ایسی ہی دُعاؤں کو دیکھکر بعض لوگوں کو مشائخ کے متعلق یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ حضرت کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ پُورا ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ قاعدۂ کلیہ نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اہم وقت ان حضرات کے یہاں وہ ہوتا ہے جب ان کے یہاں کوئی اہم مہمان اللہ والا آجائے اور پاس کچھ نہ ہو اُس وقت کا ہدیہ ان کے یہاں قیمتی ہوتا ہے۔ یہ میں پہلے اپنے اکابر کے حالات میں لکھوا چکا ہوں کہ جب میرے اکابر میں سے کوئی ایک دوسرے کے یہاں مہمان ہوتا تو میزبان کی یہ خواہش ہوتی کہ جو خاطر ہوسکے کردوں۔ بہرحال اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ مہمان اہم آگئے۔ ایک بھٹیارے کی دکان حضرت کی قیامگاہ کے قریب تھی، اُس بھٹیارے نے دیکھا کہ کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں۔ اُس نے بہت بڑا خوان لگا کر اور اُس میں مختلف قسم کے کھانے رکھکر حضرت خواجہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پُوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے ہیں میں اُن کیلئے کچھ کھانا لایا ہوں قبول فرمالیں۔ حضرت کو بہت ہی مسرت ہوئی اور وہی بے اختیاری شان کے ساتھ فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہے"۔ اُس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنادو۔ حضرت نے تھوڑی دیر تأمل کرکے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لے۔ طباخ نے کہا بس یہی چاہیئے۔ چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرماچکے تھے کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس لئے اُس کے تین مرتبہ کے اصرار پر اُس کو حجرۂ مبارکہ میں لے گئے۔ اندر سے زنجیر لگالی، اس کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح سے کہ اُنھوں نے نزولِ وحی کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی فرمایا کہ میں قاری نہیں، اور تیسری دفعہ میں دبا کر جو حضرت جبرئیلؑ نے بتایا وہ پڑھنا شروع کردیا۔ یا حضرت خواجہ

صاحب نے کوئی اور توجہ فرمائی ہوگی۔ آدھ گھنٹے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک بھی ایک ہوگئی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ سُکر (بیخودی) کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہوگیا، اللہ بلند درجے عطا فرمائے۔ مَوت تو آنی ہی تھی اور اس کا جو وقت مقرر تھا اس میں تقدم و تاخر نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور مَوت کے وقت خواجہ باقی باللہ بن کر آخرت کے بھی مزے لُوٹے۔ اسی نوع کا ایک قصہ حضرت شاہ غلام بھیک نوراللہ مرقدہٗ کا مشہور ہے کہ وہ اپنے شیخ شاہ ابوالمعالی قدس سرہٗ کے عاشق تھے اور جب حضرت شیخ سفر میں جاتے تو یہ بھی ہم رکاب ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ قدس سرہٗ سہارنپور خدام کے اصرار پر تشریف لائے اور شاہ غلام بھیک بھی ہم رکاب تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ شیخ کے یہاں آج کل فاقوں پر فاقے چل رہے ہیں اس لئے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی جہاں دعوت ہوتی، شاہ غلام بھیک دعوت کرنیوالے سے پہلے طے کرلیتے کہ دو آدمیوں کا مزید کھانا دینا پڑے گا۔ اور روزانہ عشاء کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھ کر حضرت کو لٹا کر دو نفر کا کھانا لیکر پا پیادہ انبٹھہ جو سہارنپور سے ۱٦ میل ہے تشریف لے جاتے اور اہلیہ کو کھانا دیکر فوراً واپس آتے اور تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں آجاتے۔ چند روز بعد جب حضرت انبٹھہ پہنچے تو اہلیہ سے پُوچھا کہ کس طرح گذری تو اُن کو اس سوال پر بڑا تعجب ہوا اُنھوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ تو آپ روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے پھر گذر کا سوال کیسا اور بیان کیا کہ دو گھڑی رات گذرنے پر شاہ بھیک روزانہ کھانا دے جایا کرتے تھے۔ شیخ یہ سُنکر خاموش ہوگئے اور باہر آکر شاہ بھیک سے پُوچھا تو اُنھوں نے صورت حال عرض کردی اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادہ صاحب تو فاقہ کرتے اور بھیک اپنا پیٹ بھرتا اس کی غیرت

نے گوارہ نہ کیا۔ شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی اور یہ فرماکر کہ تو نے میرے توکل میں تو فرق ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اور اپنی چھاتی سے لگا لیا اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرما دی۔ شاہ بھیک نے اپنے قلب کو نورِ معرفت سے معمور دیکھا تو شیخ کے قدم چوم لئے اور مستانہ وار شوق میں یہ دوہا زبان سے نکلا ؎

بھیکا مالی پر واریاں پل میں سو سو بار
کاگا سے ہنس کیا اور کرت نہ لاگی بار

یعنی بھیک (اپنے مرشد) ابو المعالی پر ہر آن سو سو دفعہ قربان ہو کہ انہوں نے اس کو زاغ سے ہنس (یعنی ناکارہ اور نااہل سے اہل) بنا دیا اور ایسی جلدی بنایا کہ دیر بھی نہ لگی (اِدھر سینہ سے سینہ لگا اُدھر ولایت و معرفتِ الٰہیہ نصیب ہو گئی) اس قصہ میں دعوت میں شرط کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دعوت میں حضرت عائشہؓ کی بھی شرط فرمائی (تذکرۃ الخلیل صـ ۲۹)

سینہ سے سینہ ملا کر سب کچھ ملنے کے واقعات مشائخ کے کثرت سے ہیں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی رائے مبارک یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابتدائے وحی کے وقت تین مرتبہ دبوچنا نسبتِ اتحادیہ پیدا کرنے کیلئے ہے اور یہ جس مقدس ہستی کی ابتدار ترقی حضرت جبریلؑ کے اتحاد کے ساتھ شروع ہوئی ہو اُس نے ۲۳ سالہ زندگی میں کہاں تک ترقی کی ہوگی اس کو تو اللہ ہی جانے یا وہ جانے جس نے یہ مراتب حاصل کئے لیکن اتنا تو ہر عامی بھی جانتا ہے کہ جس نے ابتدا میں تین مرتبہ دبوچ کر ابتدا کرائی تھی تیرہ ۱۳ برس بعد شبِ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ کہکر پیچھے رہ گیا کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

کہ میری تو پرواز کی انتہا ہو چکی، اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلّی باری سے جل جاؤں گا۔ اور پھر یہ سیدالکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبرئیلؑ کو چھوڑ کر قاب قوسین تک پہنچ گئے اور پھر اس کے بعد زندگی کے دس سال تک کیا کیا ترقیاں کی ہونگی اس کو تو وہی حضرات جانتے ہیں جن پر حقیقتِ محمدیہ کی حقیقت منکشف ہو گئی ہو۔ حضرت شاہ صاحب کا تو ارشاد اتنا ہی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے دبوچنے سے نسبتِ اتحادیہ حاصل ہوئی لیکن اِس سیاہ کار کا خیال یہ ہے کہ یہ سلوک تفصیلی تھا۔ غارِ حرا میں چھ ماہ تک انقطاع عن الدنیا و توجہ الی اللہ کے ساتھ قلب اطہر میں وہ صفائی اور نور تو پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا جو نسبتِ انعکاسی کا محل ہوتا ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت دیکھکر صفاتِ ملوکیت کا انعکاس تو شروع ہی میں ہو گیا تھا اور پہلی مرتبہ کے دبوچنے میں نسبتِ القائی اور دوسری مرتبہ میں نسبتِ اصلاحی اور تیسری مرتبہ نسبتِ اتحادی پیدا ہو کر وہ صفاتِ ملوکیت جن کا انعکاس ابتدائے وہلہ میں حاصل ہوا تھا وہ تیسری مرتبہ کے دبوچنے میں طبیعتِ ثانیہ بن گیا اور جس کی ابتداء میں فرشتوں کے خصائل بلکہ سید الملائکہ جبرئیلؑ کے خصائل طبیعت ثانیہ بن گئے ہوں اُس کے تیئس سالہ مجاہدات اور تعلق مع اللہ میں کتنی ترقیات ہوئی ہوں گی۔ اس کی اگر کوئی مثال کہی جا سکتی ہے تو بس یہی ہے کہ ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست   کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

میں نے اپنے اکابر کے بعض خدام میں بھی اس نسبتِ اتحادیہ کی جھلک پائی کہ گفتگو میں طرز کلام میں رفتار میں کھانے پینے کی اداؤں میں اپنے شیخ کی بہت ہی مناسبت تھی، مگر خود نابلد، نابالغ بلوغ کی لذتوں سے کب واقف ہوتا ہے۔ میری مثال اس شعر کی سی ہے ؎

یہ مسائلِ تصوّف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ماہ مبارک قریب آرہا ہے اور میرا کاتب آپ بیتی نمبر ۵ ختم کرنے کے واسطے مضمون مانگ رہا ہے، اس لئے آج آٹھ شعبان ۹۱ھ کو یہ مضمون ختم کرکے کاتب کے حوالہ کر رہا ہوں، جو لغزشیں اس ناکارہ سے اپنی سوئے فہم سوئے حافظہ سے اس میں ہوئی ہوں ان کو اللہ ہی معاف فرمائے۔ دوستوں کو بہت ہی شدید اصرار بلکہ اکابر کے تقاضے بھی اس سلسلہ کو باقی رکھنے کے ہیں کہ خالی اوقات میں کیف ما اتفق اکابر کے احوال جو بھی یاد آجایا کریں لکھوا دیا کروں، مگر ضعف پیری اور امراض کی کثرت میں دل یہ چاہتا ہے کہ حدیث پاک کی کوئی خدمت بقیہ زندگی میں ہوجائے تو مالک کا احسان ہے۔ اس رسالہ کی ابتدا کیا تھی؟ عزیز مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں علی میاں کے ایک باب پر تنقید تھی۔ لیکن پھر اس کشکول میں نامعلوم کیا کیا آگیا۔ اور اکابر کے حالات شروع میں تو مجھے نہ معلوم کیا کیا یاد آتے چلے گئے کہ ان کا احصار بھی طاقت سے باہر ہے۔ اللہ والوں کے حالات بالخصوص میرے اکابر کے حالات کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

داماں نگہ تنگ گل حُسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

میرے اکابر کے احوال اور ان سب گلدستوں کے مختلف پھول کوئی غور سے دیکھے تو تخلق باخلاق اللہ کا منظر اس گلدستہ میں خوب پاوے گا۔ بشرطیکہ اللہ نے دیدۂ عبرت عطا فرمایا ہو ؎

دیدِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا ان کا

وما توفیقی اِلّا باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب

اللّٰھم اغفر لی ما وقع فیہ من الخطاء والزلل وما لا ترضی بہ من العمل فانک عفو کریم غفور حلیم رؤف رحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّد الاوّلین والاٰخرین سیّد الانبیاء والمرسلین صاحب المقام المحمود والحوض المورود والشفاعۃ الکبریٰ ومن دنیٰ فتدلّٰی وکان قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہ حملۃ الدّین المتین الی یوم الدّین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ؛

تکملہ:- یہ رسالہ ماہ مبارک کے قریب کی وجہ سے اوائل شعبان میں ختم کر دیا تھا۔ اس ناکارہ کا معمول ماہ مبارک میں مغرب عشاء کے درمیان مہمانوں کے کھانے سے فراغ کے بعد دوستوں سے خصوصی ملاقات کا وقت ہے۔ اس میں احباب سے خصوصی درخواستیں اہتمام سے عمل کرنے کیلئے کہتا رہتا ہوں۔ یہ نسبتوں والا مضمون بھی مختصر و مفصّل ہر رمضان میں سُنانے کی نوبت آتی رہتی ہے کہ ذاکرین بالخصوص جن کو اس سیہ کار نے اجازت دی ہے ان کا خصوصی اجتماع ہوتا ہے اس لئے خاص طور سے ان کو تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ اجازت سے مغرور نہ ہوں بلکہ اس کی وجہ سے ذمّہ داری اور بڑھ جاتی ہے جس سے بہت فکر چاہیئے۔ اس سال چونکہ اس ناکارہ کی طبیعت زیادہ ناساز تھی، بولنا دشوار تھا اس وقت بجائے کچھ زبانی کہنے کے اکابر مضامین سے کچھ سُنواتا رہا۔ انفاسِ عیسیٰ کے خاتمہ پر ایک نہایت اہم عبرت آموز واقعہ ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ حیوۃ الحیوان دمیری سے مفتی محمد شفیع صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حال ناظم دارالعلوم کراچی نے محرم ۱۳۷۸ھ میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا جو انفاسِ عیسیٰ سے زیادہ مفصّل ہے اور اس سیاہ کار نے بھی اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے بارہا اس کو سُنا جو دونوں سے زیادہ

مفصل تھا اور نہایت سبق آموز عبرت انگیز ہے کہ آدمی کو بالخصوص جو کسی دینی منصب میں علمی ہو یا سلوکی اور کوئی دینی خدمت میں قدم رکھتا ہو اُس کو اِس قصہ سے بہت زیادہ عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص عجب اور گھمنڈ اور کسی دوسرے کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ اور حضرت شیخ سعدی نوّر اللہُ مرقدہٗ کے پیر و مرشد شیخ شہابُ الدّین سہروردی قدس سرّہٗ کی نصیحت ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ بہت ہی جامع اور اہم ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب　　　دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش　　　دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

فرماتے ہیں کہ مجھے میرے روشن ضمیر شیخ شہاب الدّین سہروردی قدس سرّہٗ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اپنے اوپر کبھی خود بینی میں مبتلا نہ ہوجیو۔ دوسری یہ کہ دوسرے کے اوپر بد بینی تحقیر نہ کیجیو۔ بہت اہم نصیحت ہے۔ یہ قصہ بھی جو آگے آرہا ہے خود بینی اور بد بینی کا نہایت عبرت آموز سبق ہے۔ اس سے بہت عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ حضرت تھانویؒ نے تو بہت مختصر لکھا ہے جس کی ابتدا یہ ہے آدمی کو ہرگز زیبا نہیں کہ آدمی اپنی حالت پر ناز کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، خود نفس ایمان بھی اپنے اختیار میں نہیں، بس حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے ہم کو یہ دولت عطار فرما رکھی ہے لیکن وہ جب چاہیں سلب کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ابو عبداللہ ایک بزرگ تھے بغداد میں ان کی وجہ سے تیس۳۰ خانقاہیں آباد تھیں۔ وہ ایک بار مع اپنے مجمع کے چلے جارہے تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس قصہ کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ اندلسی قدس سرّہٗ کا عبرت آموز واقعہ سن ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے۔ آفتابِ نبوّت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گذری

لوگوں میں امانت دیانت اور تدین تقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جس کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے کچھ برسر کار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں ائمہ دین کا زمانہ ہے، ہر ایک شہر علماء دین و صلحاء متقین سے آباد نظر آتا ہے۔ خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گذرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء اور صلحاء کی مجلسیں، درس و تدریس کے حلقے، ذکر و تلاوت کی دلکش آوازیں، خدائے تعالےٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا ایک کافی سامان ہے۔ فقہاء، محدثین اور عبّاد و زہاد کا ایک عجیب و غریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ابو عبداللہ اندلسی کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہل عراق کے پیر و مرشد اور اُستاد محدث ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا عبرتناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ عابد و زاہد عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایات قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا، تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہولئے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بمنزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گذر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا

نہ کر سکے تھے بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی۔ ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رہبان اور پادریوں کا مجمع تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلۂ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھکر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے، آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ہم ایک کنوئیں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبداللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا، اس انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہم جولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں :۔ یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔

شیخ :۔ پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنوئیں سے خود ہی پانی بھرتی ہے۔ کیا وہ اس کیلئے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔

لڑکیاں :۔ کیوں نہیں، مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع، حشم و خدم پر غرہ ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گذر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں البتہ

جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے لیکن سخت ضیق میں ہیں کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھکر پیش قدمی کی اور عرض کیا کہ اے شیخ! آپکے مریدین آپکے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں کچھ تو فرمائیے کیا ہے۔

شیخ:۔ (قوم کی طرف متوجہ ہوکر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اُسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو مَیں چھوڑ دوں۔

حضرت شبلیؒ:۔ اے ہمارے سردار آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپکے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے بطفیل قرآنِ عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔

شیخ:۔ میرے عزیز! میرا اور تمہارا نصیب تقدیرِ خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اُٹھالی گئیں۔ یہ کہکر رونا شروع کیا اور کہا "اے میری قوم! قضا رقدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔"

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا، شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہوکر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے لوگ ہمارے آنے کی خبر سُن کر شیخ کی زیارت کیلئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ

دیکھکر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کیا، سُن کر لوگوں میں کُہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت اسی غم و حسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دُعائیں کر رہے ہیں کہ اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔
اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچکر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔

گاؤں والے:- وہ جنگل میں سؤر چرا رہا ہے۔

ہم:- خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔

گاؤں والے:- اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سؤر چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم یہ سُن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سؤر چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنّار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے۔ جس نے ہمارے زخموں پر نمکپاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھکر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچکر "السلام علیکم" کہا۔

شیخ:- (کسی قدر دبی زبان سے) "وعلیکم السلام"۔

شبلیؒ:- اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا

حال ہے۔

شیخ :۔ میرے بھائیو ! میں اپنے اختیار میں نہیں ، میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا۔ اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرو ، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو ، اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا "اے میرے مولیٰ ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دیگا۔" یہ کہکر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا۔ (میرے والد صاحب اس قصہ کو سناتے وقت یہ شعر بھی شیخ کی طرف سے پڑھا کرتے تھے ؎

بے نیازی نے تری اے کبریا مجھ غریب و خستہ کو کیا کیا کیا

(غالباً یہ کسی عربی شعر کا ترجمہ اردو داں شاعر نے کیا ہو گا) اور شیخ نے آواز دیکر کہا کہ اے شبلی ! اپنے غیر کو دیکھکر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے السعید من وعظ بغیرہٖ یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھکر نصیحت حاصل کرے)

شبلیؒ :۔ (رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) "اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہر کام میں ، ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے ، ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں "

خنزیر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بسمل کی طرح لوٹنا تڑپنا اور چلانا شروع کر دیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے ، یہ میدان ، میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا ، اُدھر شیخ حسرت کے عالم میں زار زار رو رہے تھے۔

حضرت شبلیؒ :۔ شیخ ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے ؟

شیخ :۔ اے عزیز مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلیؒ :۔ وہ دو آیتیں کونسی ہیں ؟

شیخ :۔ ایک تو یہ ہے وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتاہے) اور دوسری یہ ہے وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا)

شبلیؒ :۔ اے شیخ ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بر زبان یاد تھیں اب اُن میں سے بھی کوئی یاد ہے ؟

شیخ :۔ صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی من بدل دینه فاقتلوه (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو)

شبلیؒ :۔ ہم یہ حال دیکھکر بصد حسرت دیاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتیں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اُس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت دیاس کا اندازہ ہو۔

شیخ :۔ (قریب پہنچ کر) "مجھے ایک پاک کپڑا دو"۔ اور کپڑا لیکر سب سے پہلے

نماز کی نیت باندھی، ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم :- اُس خدائے قدیر و علیم کا ہزار ہزار شکر، جس نے آپ کو ہم سے ملایا۔ اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرما دیا۔ مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکارِ شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

شیخ :- میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے تو میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالےٰ سے دُعا کی کہ خداوندا مجھے اس جنجال سے نجات دے میں تیرا خطا کار بندہ ہوں، اس سمیعُ الدعا نے باایں ہمہ میری آواز سُن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیئے۔

ہم :- کیا آپ کے اس ابتلاء (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟

شیخ :- ہاں جب ہم گاؤں میں اُترے اور بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن موحد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو، اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک جانور میرے قلب سے نکل کر اُڑ گیا ہے۔ جو در حقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلیؒ :- اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور ان کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں۔ خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہِ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ

ہدایا پیش کیۓ۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے اور پھر وہی حدیث و تفسیر وعظ و تذکیر تعلیم و تربیت کا دور شروع ہو گیا۔ خداوند عالم نے شیخ کو بھولا ہوا علم پھر عطا فرما دیا بلکہ اب نسبتًا پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوۓ تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں :۔ آپ کون ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ کیا مقصود ہے ؟

آنے والا :۔ اپنے شیخ سے کہدو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لیکر جس میں شیخ مبتلا ہوۓ تھے) چھوڑ کر آئے تھے آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہے۔ سچ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو سارا جہاں اُس کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مُنھ موڑ لیتا ہے تو ہر چیز اس سے مُنھ موڑ لیتی ہے ع

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

میں شیخ کے پاس گیا واقعہ بیان کیا۔ شیخ سُنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے۔ اس کے بعد اُس کو اندر آنے کی اجازت دی۔ لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار زار رو رہی ہے، شدتِ گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ :۔ (لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا ؟

لڑکی :۔ اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوۓ اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی اُس کو کچھ میرا دل ہی جانتا ہے، نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی۔ میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح

کے قریب ذرا لیٹ گئی۔ اور اُس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی۔ اور اسی غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

میں :۔ (اسی عالم خواب میں اُس شخص کو خطاب کر کے) شیخ کا دین کیا ہے ؟

شخص :۔ اُس کا دین اسلام ہے۔

میں :۔ اسلام کیا چیز ہے ؟

شخص :۔ اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبو نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔

میں :۔ تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں ؟

شخص :۔ ذرا آنکھیں بند کر لو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ .... میں دیدو۔

میں :۔ "بہت اچھا" یہ کہا اور کھڑی ہو گئی اور ہاتھ اُس شخص کے ہاتھ میں دیدیا۔

شخص :۔ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر بولے "بس کھولدو"۔

میں نے آنکھیں کھولیں، اپنے کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا۔ اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اُس شخص نے آگے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ اور شیخ سے کہدو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے۔" میں اُس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔

شیخ نے اُس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد و عبادت میں اپنے اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالکِ بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی۔ محنت سے بدن ڈھل گیا، ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، آخر اسی میں مریض ہوگئی، اور مرض اتنا ممتد ہوا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اور اب اس مسافرِ آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے۔ کیونکہ جس وقت سے اِس حجرہ میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہی شیخ کی زیارت کر سکی جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں۔

شیخ یہ سُن کر فوراً تشریف لائے۔ جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اُسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں۔ لیکن اس کی زبان بے زبانی یہ کہہ رہی ہے ؎

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر ✤ سدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑائی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السلام علیکم"۔

شیخ: (شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہو کر خاموش ہوگئی اور اب یہ خاموشی ممتد ہوئی کہ یہ مُہرِ سکوت صبحِ قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ مُسافر

آخرت نے اس دارِ فانی کو خیرباد کہا۔

شیخ اس کی وفات پر آبدیدہ ہیں مگر ان کی حیات بھی دُنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ چند ہی روز کے بعد شیخ اس عالمِ فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنّت کے ایک پُرفضا باغ میں مقیم ہیں اور ستّر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں ابدالآباد جنّت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش وخرم ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاءٓ والله ذوالفضل العظيم ؁

حضرت تھانویؒ نے اس کے بعد انفاسِ عیسٰی میں نقل کیا ہے کہ جب یہ حال ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اِس وقت جو ہماری حالت درست ہے وہ ہمارے مستقل اختیار سے ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی تو سمجھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص بہت حسین ہو مگر وہ اپنے چہرہ پر کالک مل لے تو اُس کا قدرتی حُسن حقیقۃً زائل نہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بدشکل ہو مگر وہ پاؤڈر مل لے تو کیا وہ حسین ہو جائیگا؟ تو بعض لوگوں کا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے جیسا پاؤڈر، ایسے ہی بعض لوگوں کا کفر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کالک جب ذرا ہٹا اصل رنگ عود کر آیا۔ اور اس کا ہٹ جانا اپنے مستقل اختیار میں نہیں ہے، یہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ تو پھر کیا زیبا ہے کہ آدمی اپنی حالت پر ناز کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے فقط۔

یہ قصّہ میں نے اپنے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے بھی سُنا ہے۔ اس میں اب ایک شعر جو اوپر گذر چکا وہ فرماتے تھے کہ اس شعر کو شیخ ابوعبداللہؒ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ وہ غالباً عربی کا کوئی شعر ہو گا جس کا اردو میں کسی نے ترجمہ کیا۔ اس کے

ساتھ اس قصّہ کی ابتدا میں میرے والد صاحب نے جو سُنایا تھا وہ یہ تھا کہ اس زمانہ کے ایک بزرگ نے غلبۂ حال میں یہ فرمایا قدمی علی رقبۃ کل ولی (ترجمہ) کہ میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ان اندلسی بزرگ نے جب یہ مقولہ سُنا تو فرمایا "اِلّا انا" وہ بزرگ نہ معلوم اس وقت کہاں تھے۔ انہوں نے ان کا انکار سُن کر یہ فرما دیا کہ جس کی گردن پر میرا قدم نہیں اُس کی گردن پر سور کا قدم ہے۔ مگر یہ واقعہ مجھے اس وقت کسی جگہ نہیں ملا۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی نے سُن کر فرمایا کہ یہ واقعہ میں نے کسی کتاب میں اسی طرح دیکھا جس طرح آپ نے اپنے والد صاحب سے سُنا مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں۔ یہاں ایک ضروری بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اس قسم کا واقعہ حضرت پیرانِ پیر کا بھی ہے نوّر اللہ مرقدہم جس کو امداد المشتاق میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے نقل فرمایا ہے۔ فرمایا کہ ایک روز دو آدمی آپس میں بحث کرتے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہیں اور دوسرا حضرت غوثِ پاکؒ کو شیخ پر فضیلت دیتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم کو نہ چاہیئے کہ بزرگوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کریں اگرچہ اللہ فرماتا ہے فضّلنا بعضھم علیٰ بعض جس سے معلوم ہوا کہ واقع میں تفاضل ہے لیکن ہم دیدۂ بصارت نہیں رکھتے اس واسطے مناسب شان ہمارے نہیں ہے کہ محض رائے سے ایسی جرأت کریں البتہ مرشد کو تمامی اس کے معاصرین پر فضیلت باعتبار محبّت کے دینا مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اپنے باپ کی محبت چچا سے زیادہ ہوتی ہے اور اس میں آدمی معذور ہے۔ اس نے یعنی قادری نے دلیل پیش کی کہ جس وقت حضرت غوثِ پاکؒ نے قدمی علیٰ رقابِ اولیاء اللہ فرمایا تو حضرت معین الدینؒ نے فرمایا بل علیٰ عینی یہ ثبوت فضیلت حضرت غوثؒ کا ہے۔ میں نے کہا اس سے تو فضیلت حضرت معین الدین صاحبؒ کی

حضرت غوثؒ پر ثابت ہو سکتی ہے نہ بر خلاف اس کے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت غوثؒ اس وقت مرتبۂ الوہیت یعنی عروج میں تھے اور حضرت شیخ مرتبۂ عبدیت یعنی نزول میں اور نزول کا افضل ہونا عروج سے مسلّم ہے (امداد المشتاق) یہ قصہ شیخ اندلسی کا دوسری صدی کے ختم کا ہے، اور حضرت غوث اعظمؒ کی وفات پانچ سو اکسٹھ ہجری میں ہے یعنی چھٹی صدی کا ہے۔ یہ میں نے اس لئے متنبّہ کر دیا کہ ایک قصہ کا دوسرے سے خلط نہ ہو۔ اصل قصہ شیخ اندلسی کے متعلق یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ میں آپ بیتی میں کسی جگہ اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی یہ وصیت نقل کرا چکا ہوں کہ ان اللہ والوں سے بہت ڈرتے رہنا چاہیئے، ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔ اور اس کلام کی شرح بھی حضرت اقدس رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ سے نقل کر چکا ہوں اس لئے ان اکابر کے ایسے جملوں پر جو اُوپر نقل کیے گئے قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی یا اس نوع کے بعض دوسرے اکابر کے جملے مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے متعدد ارشادات جن میں سے بعض اوجز کے مقدمہ میں بھی نقل کر چکا ہوں جس میں ان کی کتاب تفہیمات سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

"ومن نعم اللّٰہ علی ولا فخر ان جعلنی ناطق ھٰذہ الدورۃ وحکیمھا وقائد ھٰذہ الطبقۃ وزعیمھا فنطق علی لسانی ونفث فی نفسی فان نطقت باذکار القوم واشغالھم بجوامعھا الی اٰخر ما بسط فیہ۔" اور اس قسم کے الفاظ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں بھی اور حضرت پیران پیر اور دیگر اکابر کے کلام میں پائے جاتے ہیں، ان الفاظ پر ناسمجھوں کو چیں بجبیں نہ ہونا چاہیئے۔ اس قسم کی چیزیں اکابر کو بعض اوقات میں اکرام ربانی کے اعزاز او قتی طور پر عطا ہوا کرتی ہیں چنانچہ ارواحِ ثلثہ میں بروایت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے، ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے نابینا بچہ کو لائی اور

عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے مُنہ پر پھیر دیجیے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجیے۔ اس وقت آپ پر شانِ عبدیت غالب تھی اس لئے نہایت انکساری کے ساتھ فرمایا کہ میں اِس قابل نہیں ہوں۔ اُس نے اصرار کیا مگر پھر آپنے وہی جواب دیا، غرض کہ تین چار مرتبہ یوں ہی ردّ و بدل ہوئی۔ جب آپنے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلائے کہ یہ کام حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا، وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے، میں اس قابل نہیں ہوں، تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا کہ تو کون عیسٰیؑ کون اور موسٰیؑ کون؟ پیچھے لوٹ اور اس کے مُنہ پر ہاتھ پھیر، نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسٰیؑ، **مامی کنیم** (ہم کرتے ہیں) آپ یہ سُن کر لوٹے اور مامی کنیم، مامی کنیم فرماتے جاتے تھے، اور جا کر اُس کے مُنہ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھا کرتے ہیں کہ مامی کنیم خود کہہ رہے ہیں حالانکہ اُن کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے، جب کوئی کسی گوّیئے سے عمدہ شعر سنتا ہے تو اُس کو اپنی زبان سے بار بار دُہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذّت سے حق تعالیٰ کا ارشاد مامی کنیم بار بار دُہراتے تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ اس حکایت کے اندر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ **قولہ** وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے **اقول** منصور حلاج (کے قول انا الحق) کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمۃ اللہ سے احقر نے بھی سُنی ہے، بس اتنا فرق ہے کہ مجھ کو ان بزرگ کا نام لینا یاد نہیں اور اوّل بار جو اس عورت کو جواب دیا اُس کا لہجہ جوش کا یاد ہے وہ یہ کہ میں عیسٰیؑ ہوں جو اندھوں کو اچھا کروں اور مامی کنیم کی جگہ ما کنیم یاد ہے۔

مقصد اس ساری تحریر سے یہ ہے کہ آدمی کو اپنی فکر میں ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ خاص طور سے اکابر کے جو کہ معتمد

مقتدی وعلماء ہوں، ان کے اقوال وافعال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ خلافِ شرع میں اتباع کسی کا نہیں۔ لیکن اُن کے اقوال وافعال کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ مجھ سے چند سالوں سے ایک لغو سوال کثرت سے خطوط میں کیا جا رہا ہے کہ فلاں حضرت نے فلاں کو کیوں اجازتِ بیعت دیدی؟ میں تو ان لغویات کا جواب اکثر یہ دیا کرتا ہوں کہ جب قبر میں منکر نکیر تم سے یہ سوال کریں گے تو تم بے تکلف کہہ دینا مجھے خبر نہیں۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے اور عُجب پندار اور دوسروں کی تحقیر تنقیص یہ نہایت خطرناک امور ہیں، جیسا کہ اُوپر کے سُور کے قصہ سے معلوم ہوگیا۔ اللہ ہی محفوظ رکھے۔ ان سے بھی بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے دوستوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(حضرت اقدس مولانا شیخ الحدیث) محمد زکریا عفی عنہ (دامت برکاتہم)
۳؍ شوال ۱۳۹۱ھ

فصل ۔۲

سلوک کے موانع اور آدابِ مریدین

یوں تو جتنے بھی ظاہری و باطنی معاصی اور تعلقات ماسوی اللہ ہیں سب اس راہِ سلوک کے رہزن ہیں۔ مگر چند ضروری چیزوں کا یہاں صرف ذکر کیا جاتا ہے اور ان میں سے جو چیز بنیادی اور جڑ کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کے دور کرنے سے ان شاء اللہ باقی موانع بھی آسانی سے دور ہو جاتے ہیں اُس کو بیان کیا جائے گا جس سے سالک کو بے حد پرہیز کرنا چاہیئے ورنہ تو ساری محنت رائیگاں اور بے کار جائے گی۔

۱۔ مانع "مخالفت سُنّت" ہے۔ اس کی تفصیل میں حضرت کے مجاز مولانا یوسف متالا کی مستقل کتاب اطاعتِ رسولؐ قابلِ دید ہے۔

۲۔ حُسن پرستی یعنی لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنا اس کی تفصیل آپ بیتی نمبر۳ میں مستقل باب "نظر کی احتیاط میں" اور مستقل رسالہ "بدنظری کا علاج" میں ملاحظہ ہو۔

۳۔ تعجیل کرنا یعنی مجاہدات کے ثمرات میں عجلت اور تقاضہ کرنا۔

۴۔ تصنع کرنا ۵۔ توحید مطلب میں پختہ نہ ہونا یعنی ہرجائی ہونا۔

۶۔ اُمور اختیاریہ میں ہمت سے کام نہ لینا اور اُمور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں رہنا جیسے ذوق، شوق، استغراق و لذّت۔ دفع خطرات وغیرہ اور اسی اُمورِ غیر اختیاریہ کے ازالہ کیلئے پریشان ہونا، جیسے قبض، ہجومِ خطرات ووساوس۔ دل نہ لگنا طبعی محبت، شہوتِ طبعی کا غلبہ، قلب میں رقّت نہ ہونا۔

۷۔ مخالفتِ شیخ۔ اور یہ بات عُجب و پندار اور اُمّ الامراض کبر کے حد درجہ بڑھنے

سے ہوتی ہے، اسی کو یہاں بیان کرنا ہے کہ اس راستہ میں نہایت خطرناک چیز جو بہت مضر ہے اپنے کو کچھ سمجھنا ہے۔ اکابر کے کلام میں بھی یہ مضمون بہت کثرت سے سُننے میں آیا۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث دام مجدہم نے بھی بہت سے واقعات وقتاً فوقتاً اس کے سُنائے۔ اور اپنے بڑے بڑے قابل و مخلص خدام میں بھی اگر اس چیز کا کچھ اثر محسوس فرمایا تو بہت اہتمام و تفصیل سے اس پر تنبیہ فرمائی چنانچہ ایک پرانے ذاکر و شاغل خادم کا مدینہ منورہ میں تازہ آیا ہوا خط اور اس کے جواب میں حضرت کا مکتوب گرامی یہاں نقل کرتا ہوں۔

۷۸۶

از .... یوپی انڈیا ۸ جنوری ۱۹۷۹ء

میرے آقا میرے شیخ۔ السلام علیکم۔

مزاج شریف، آپ کا یہ غلام بیمار چلتا رہتا ہے اور بہت کمزور ہو گیا ہے، آپ سے خاص توجہ اور دُعا کی درخواست ہے۔ آپ کا سلام مبارک اور دُعائیں دو اشخاص کے پرچوں میں ملیں، ناکارہ بھی حضرت کیلئے دُعائیں کرتا رہتا ہے۔ آپ کو خواب میں اکثر دیکھتا ہوں لیکن ایک ماہ سے تو بہت ہی زیادہ دیکھتا ہوں دوسرے تیسرے دن۔ مثلاً ان دنوں میں جو دیکھا ہے چند مختصر لکھتا ہوں:۔

(۱) دیکھا کہ میں اور بھائی مولوی طلحہ ساتھ بیٹھے ہیں (۲) دیکھا کہ میں پہنچا تو آپ نے کھڑے ہو کر استقبال فرمایا اور معانقہ فرمایا اور میرے گالوں کو اپنے گال خوب ملائے (۳) دیکھا کہ میں پہنچا تو سب دروازے راستہ کے اندر سے بند تھے۔ میں نے ہر دروازہ پر کہا کہ کُھل جا، وہ کُھل گیا۔ اسی طرح سب دروازے کُھل گئے۔ میں حاضر ہوا اور ہنس کر یہ بات کی کہ یہ میں نے اس لئے

نہیں کیا تھا کہ آپ فرمائیں گے کہ اب یہیں کرامتیں اپنی دکھاتا ہے۔ آپ بھی ہنسے اور میرا منہ بار بار خوب چوما (۴) دیکھا کہ آپکے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ دو باتوں کی ضرورت ہے مرید کی محبت اور پیر کو آزادی یعنی جو چاہے بلا تکلف کہہ سکے۔ میں نے ہنس کر کہا کہ میری طرف سے تو آپ کو دونوں باتیں حاصل ہیں۔ آپ خوش ہوئے (۵) دیکھا کہ پاؤں دبا رہا ہوں آپ کہہ رہے ہیں کہ ذرا آنکھ لگ جائے تو اچھا ہو، سونا چاہ رہے ہیں (۶) دیکھا کہ دو آدمی آپ کی طرف سے اجازت نامہ لیکر آئے ہیں، ایک حضرت حافظ مقبول صاحب کی شکل کے ہیں دوسرے کا نام لطف الٰہی ہے اور صورت وصف الٰہی کی ہے۔ لطف الٰہی نے بہت سے نوٹ سُرخ و سبز رنگ کے بہت قیمت والے گڈی دی جس میں اُوپر ہزار کا نوٹ ہے اور باقی شاید زیادہ زیادہ کے ہیں۔ آپ کے احسانات کا شُکریہ ادا ہو سکنا ممکن نہیں، آپنے وہ دولت بخشی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہت، بیچ نہ ہے۔ آپکے احسانات کے اظہار کے لئے لکھتا ہوں کہ اعمال کے اپنے لحاظ سے بالکل ناکارہ اور فضلِ الٰہی کے لحاظ سے آپکے واسطے سے باطن کی روز افزوں ترقیات نصیب ہیں۔ بس آپکے در کا کُتا ہوں اور توجہ اور دُعا کی درخواست کرتا ہوں۔ چمار کو بادشاہت ملنا اتنا عجیب نہیں جتنا اس روسیاہ بدکار ناکارہ اور واقعی گنہگار عاجز بے چارہ کو ترقیات بے نہایت نصیب ہونا۔ ہر روز مولیٰ کا فضل زیادہ اور اپنی کمینگی اور بداعمالی زیادہ۔ فقط والسلام ....

جواب از حضرت شیخ الحدیث دام مجدہم :-

مکرم و محترم جناب .... مدفیوضکم

بعد سلام مسنون ۔ آپ کا اس ناکارہ کو کثرت سے خواب میں دیکھنا آپ کی محبت کی علامت ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی اس محبت کو طرفین کیلئے دینی ترقیات کا ذریعہ بنائے ۔ پہلے کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ خوابوں کو زیادہ اہمیت نہ دینا چاہیئے ۔ اچھا خواب نظر آئے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور برا اگر نظر آئے تو اعوذ پڑھکر بائیں طرف تھوک دینا چاہیئے، کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، ملکی، جو قابلِ شکر ہے اور شیطانی، جو آدمی کو پریشان کرنے کیلئے وہ کمبخت دکھلاتے رہتے ہیں اور اخلاطی جو سوداء، صفراء وغیرہ اخلاط سے ظاہر ہوتے ہیں ۔

آپ کا خواب کہ سب دروازے بند تھے آپکے جانے سے سب کھل گئے پسندیدہ نہیں ہے ۔ اس قسم کے خواب اکثر شیطان کی طرف سے عُجب اور تکبر پیدا کرنے کے واسطے دکھائے جاتے ہیں ۔ آپ کا تیسرا خواب مرید کی طرف سے محبت اور پیر کی طرف سے آزادی یہ سلوک کے اہم اجزاء میں سے ہے ، اسی وجہ سے ایسے لوگوں کو نفع کم ہوتا ہے جن پر نکیر میں شیخ کو کچھ اشکال ہو ۔ آپ کا خواب کہ دو آدمی اجازت لیکر آئے ہیں یہ بھی مانع ترقی ہے ۔ اس قسم کے خوابوں سے بھی عُجب پیدا ہوتا ہے ۔ خواب کی اجازت تو معتبر نہیں اور میں اپنی آپ بیتی میں شاید اس قسم کے مضامین کئی جگہ لکھوا بھی چکا ہوں کہ اجازت بمنزلہ سند اور تکمیل تعلیم کے ہوتی ہے ۔ معرفت، نسبت بہت سے لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے مگر اجازت نہیں ہوتی ۔ میں نے اپنے اکابر میں بھی یہ منظر بہت دیکھا ۔ اور بسا اوقات ایسوں کو اجازت ہو جاتی ہے جن کی تکمیل میں بھی کمی ہوتی ہے ، اس اُمید پر کہ مریدین کے ساتھ اس کی بھی تکمیل ہو جائے گی ۔ یہ مناظر بھی اپنے بڑوں کے یہاں میں نے کثرت سے دیکھے ۔ بیعت کی اجازت بمنزلہ تدریس کی صلاحیت کے ہے ۔ بہت سے آدمی بڑے علامہ اور اونچے درجہ کے ہونے

کے باوجود تدریس سے مناسبت نہیں رکھتے اور بہت سے نوجوان باوجود علوم میں کمال نہ ہونے کے تدریسی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کے مضامین آپ بیتی میں متفرق آتے رہے کچھ دنوں سے میرے دوستوں کا اصرار ہے کہ وہ سلوک کے مضامین آپ بیتی سے جمع کرکے یکجا شائع کردیں۔ میں نے بھی اجازت دیدی ہے۔ اجازت کے مسئلہ میں ایک بہت اہم اور نازک مرحلہ اپنے کو اہل سمجھنے کا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت جوش اور غصہ میں مجھ سے ہی فرمایا تھا کہ اپنے کو اہل کون سمجھتا ہے۔ اور جو اہل سمجھے وہ نااہل ہے۔ میں شاید آپ بیتی میں کہیں لکھوا چکا ہوں کہ میرے ایک دوست مولوی عبدالرحمٰن مرحوم کے حالات بہت ہی رفیع اور اچھے ہوا کرتے تھے اور میں اُن کے ہر خط کے جواب میں اس کا منتظر رہتا تھا کہ حضرت ان کو اجازت دیں گے۔ مگر ایک خط کے جواب میں جس میں انھوں نے اپنے بہت سے حالات تصرفات لکھے تھے۔ جب حضرت قدس سرہٗ نے مجھ سے یہ جواب لکھوایا کہ فرائض اور سنن مؤکدہ کے سوا باقی سب اوراد و اشغال چھوڑ دو۔ تو میں سوچتا ہی رہ گیا۔ بہرحال سلوک میں اپنے آپ کو اہل سمجھنا اور اپنے آپ کو قابلِ اجازت سمجھنا بڑا خطرناک ہے۔ اجازت کا مسئلہ بھی مشائخ کے اپنے اختیار کا نہیں ہوتا وہ منجانب اللہ ہوتا ہے بعض لوگوں کو مشائخ اجازت دینا چاہتے ہیں مگر نہیں دے سکتے۔ یہ بھی عجیب مسئلہ ہے اور مجھے اس کا بھی کئی بار تجربہ ہوا، بہرحال کام ضرور کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت و ترقیات سے نوازے اور اجازت کی اہلیت کا واہمہ بھی نہ آنے دیں۔ میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے لوگوں میں سے ایک صاحب کو جو بہت اُونچے چل رہے تھے ایک بزرگ نے اجازت دیدی۔ میرے حضرت کو بہت قلق ہوا کہ راہ ماردی۔ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میرے دوستوں میں سے ایک شخص بہت اچھا چل رہے تھے۔ میرے ایک دوست نے یہ کہہ کر کہ شیخ نے ابھی تک اجازت نہیں دی میں دیتا ہوں بے چارے کی ایسی

راہ ماری کہ جہاں سے وہ گیا تھا بیس سال کے بعد پہنچا۔ اللہ تعالیٰ میرے دوستوں کی شیطانی مکارہ سے حفاظت فرمائے۔ یہ ناکارہ خود گم است کرا رہبری کند کا سچا مصداق ہے۔ کیا دولت بخش سکتا ہے، جو کچھ ہے وہ عطاء ربانی ہے اور اکابر کی برکات کا سلسلہ ہے اپنی نااہلیت کا جتنا تصور بڑھے گا اُتنا ہی مفید ہوگا، اور جس جگہ جاکر اپنے کو اہل سمجھنے کا مرض شروع ہوگا وہیں خطرہ ہے۔ فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث) بقلم حبیب اللہ

حاشیہ:۔ متعلقہ مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم از احقر ناقل۔

بعض ذاکرین کو اپنی بزرگی کا جو دھوکہ ہوتا ہے اُس کی عام طور پر یہ وجہ ہوتی ہے کہ جب کچھ عرصہ ذکر و شغل اور یکسوئی کا موقع مل جاتا ہے اور ظاہری معروف گناہوں سے بچنا بھی نصیب ہو جاتا ہے اور رذائل کے ظاہر ہونے کے مواقع بھی کم ہوتے ہیں تو قلب میں ایک گونہ صفائی ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ اپنے شیخ سے محبت اور تواضع کے ساتھ کچھ رابطہ ہو گیا اور شیخ کا التفات بھی اپنے اُوپر زیادہ دیکھا۔ ایسی حالت میں شیخ کے قلب کا اثر پڑنا شروع ہوتا ہے جس سے وہ اپنے اندر یادداشت کی کیفیت (جوش اور واردات، انوارات) مثلاً توحید، زہد، توکل وغیرہ احوال محسوس کرتا ہے تو ان کو وہ اپنا اصلی حال و مقام سمجھنے لگتا ہے۔ اور تصوف کی کتب کا مطالعہ کیا ہوا ہو تو ان حالات پر خلافت کا ملنا پڑھ چکا ہوتا ہے اس لئے اپنے کو بھی اس کا اُمیدوار بنا کر عجب میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے وقت میں شیطان بھی گمراہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے، حالانکہ وہ حال ابھی محض عکس تھا۔ اگر شیخ کی نسبت و توجہ قلب میں سرایت کر جاتی اور نقش پختہ ہوتا تو حقیقی حضوری حاصل ہوتی اور حضوری میں اپنی گندگی پیش نظر ہو کر شرم و حیاء سے پانی پانی ہو جاتا اور اپنے کو انتہائی رذیل اور سراپا گناہ دیکھتا اور ایسی حالت میں خلافت و بزرگی کا خیال آنا کیا معنیٰ؟ یہ شیخ کی مجلس سے

نکال دیئے جانے کے خیال آتے اسی حالت پر اللہ کریم اپنے فضل سے بندہ کے قلب پر اپنے
نور سے نظر فرما دیتا ہے پھر وہ نور بندہ پر غلبہ پالیتا ہے اور کبھی جدائی نہیں ہوتی جس کا نتیجہ
دوام ذکر یعنی حضوری اور دوام اطاعت یعنی ہر حرکت و سکون میں شریعت کا لحاظ اخلاص
کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہی قبولیت کی علامت ہے اور اس سے پہلے محض یادداشت معتبر نہیں۔
اسی طرح دیگر اچھے اچھے احوال کا محسوس ہونا اسی طرح ہے جس طرح کچے لوہے کے ٹکڑے کو مقناطیس
کے قریب رکھدیا جائے تو اس میں بھی مقناطیسی اثر آجاتا ہے۔ مگر جب دور کر دیا جائے تو
وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے، ہاں اگر پہلے اس کچے لوہے کو فولاد بنالیا جائے تو پھر اُس کو
کسی مقناطیس سے خاص طریقہ پر رگڑ دیا جائے تو اس میں جو مقناطیسی اثر آئے گا وہ دائمی
ہوگا۔ یہی حال عطر فروش کے پاس بیٹھنے والے کا ہوتا ہے کہ اُس کو خوشبو آتی رہتی ہے اور
کبھی کبھی اس بات سے ذہول ہو جاتا ہے اور وہ اس خوشبو کو اپنی سمجھنے لگتا ہے۔ ہاں
اگر کوئی عرصہ دراز تک بیٹھا رہے تو واقعی اُس کے کپڑوں میں وہ خوشبو بس جاتی ہے، یا
یہ کہ وہ عطر فروش کسی وقت اللہ کے فضل سے کسی جذبہ سے خود تھوڑی سی خوشبو اُس کو
لگا دے :: انتہی حاشیہ از ناقل۔

جیسا کہ حضرت کے گرامی ناموں میں ہے کہ ذاکرین کو اپنی اہلیت کے خیالات بہت
مضر اور ترقی میں زبردست مانع ہیں کیونکہ یہ تکبر و عجب کی بات ہے۔ اس کا اگر کوئی علاج چاہے
تو بہت آسان ہے، تھوڑی سی توجہ سے اپنے اس تکبر کے زہر کو تریاق بنا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ
یہ ہے کہ تکبر کی مذمت کو سوچکر خیال کرے کہ میرے اندر یہ اُمّ الامراض تو دُنیا کے بڑے بڑے
متکبرین کے تکبر سے بھی بہت بڑھا ہوا ہے کہ دُنیاوی بڑائی یعنی مال وجاہ کی بڑائی کا منتہا
بادشاہت ہے اور مجھے جس بڑائی کا خیال ہو رہا ہے اس کے سامنے بادشاہت بھی کوئی چیز
نہیں لہٰذا میری حالت تو بہت ہی خراب ہے، بہت بڑے باطنی گناہ میں مبتلا ہوں۔ میرا گناہ

تو شرابی زانیوں سے بھی بڑھکر ہے کہ اس کا ایک ذرہ بھی دخولِ جنت و رحمت سے مانع ہے اور یہ کفر کی لائن کا گناہ ہے اور اس سے سُوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے ایسی حالت میں بزرگی کا خیال کیا معنٰی ؟

اس بات کو بار بار سوچنے سے اپنی ذلت کا احساس ہو کر تواضع پیدا ہو جائے گی اور شیطانی خیالات ختم ہو جائیں گے۔ پھر انشاءاللہ حقیقی ترقیات نصیب ہوں گی جس کی علامت تواضع اور اپنی نا اہلیت کے استحضار کا بڑھنا ہے لیکن مایوسی اور تعطل سے بھی بچنا ہے اور ایسے آدمی کو اپنے آپ کو متکبر کے علاوہ احمق بھی سمجھ لینا چاہئے کہ دُنیا دار تو جن چیزوں کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں وہ نظر تو آتی ہے مگر بزرگی تو محسُوس بھی نہیں ہو سکتی کہ اعمال و احوال کا اعتبار قبولیت پر ہے جس کا یقینی علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا یہ ارشاد میں غالبًا آپ بیتی میں بھی کسی جگہ لکھا چکا ہوں کہ ایک دفعہ حضرت قدس سرہٗ مکان سے کھانا نوش فرما کر دوپہر کے وقت تشریف لا رہے تھے، حُجرہ کے قریب پہنچ کر ارشاد فرمایا کوئی ہے ؟ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا حضرت! یحییٰ اور الیاس یعنی میرے چچا جان۔ حضرت اقدس نے نہایت بھرائی ہوئی آواز میں ارشاد فرمایا غور سے سُنو! اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ میں نے اپنے اکابر کو اس سلسلۂ سلوک میں ایک چیز کا بہت ہی پابند اور اہتمام کرتے ہوئے دیکھا یعنی شیخ سے محبت عشق کے درجہ سے بھی آگے۔ میں اپنے رسالہ اسٹرائیک کے شروع میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں کہ حضرت تھانوی ؒ نے حضرت مولانا الحاج صدیق احمد صاحب انبہٹوی خلیفہ حضرت گنگوہی سے نقل کیا ہے کہ ہمارے حضرات کے سلسلہ میں بطریق جذب نفع پہنچتا ہے نہ بطریقِ سلوک (النور صاا ربیع ۲ ۴۶ھ) اور جذب محبت و تعلق پر ہوتا ہے

جتنی شیخ کو محبت زیادہ ہوگی اُتنی ہی کشش اور جذب بھی زیادہ ہوگا (رسالہ اسٹرائیک ص)

حضرت شیخ الہندؒ کا اُگالدان پی جانا

میں نے اپنے اکابر کے حالات میں خود بھی دیکھا اور ان کی سوانحوں میں بہت کثرت سے پڑھا اور جو پڑھا وہ واقعی آنکھوں سے دیکھا بھی کہ اپنے شیخ سے محبت واقعی عشق کے درجہ سے بھی زیادہ پائی۔ اعلیٰ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ پان نہیں نوش فرمایا کرتے تھے لیکن اُگالدان رہتا تھا۔ کبھی کھانسی وغیرہ میں بلغم اس میں ہوتا تھا، سُوکھ بھی جاتا تھا۔ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ اس اگالدان کو بہت چپکے سے کوئی نہ دیکھے اُٹھایا اور باہر لیجاکر اس کو دھوکر پی لیا۔

حضرت رائے پوریؒ کی اپنے شیخ سے محبت علی میاں نے حضرت رائے پوری ثانی نوراللہ مرقدہٗ کی سوانح ص ۶۸ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت کا اپنے شیخ سے وہ عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا جس کو مناسبت اور ترقی باطن میں ہزار اذکار اور ریاضتوں سے زیادہ دخل ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ ؎

انبساطِ عید دیدن رُوئے تو   عید گاہے ما غریباں کوئے تو

ذکر کے علاوہ حضرت کی خدمت میں مشغولیت رہتی تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت کو لٹا کر بدن دباتا تو دیر کے بعد حضرت فرمادیتے کہ جاؤ مولوی صاحب آرام کرو۔ میں کواڑ بند کرکے اپنی جگہ آجاتا۔ پھر خیال آتا کہ کوئی مکھی مُنہ پر بیٹھ کر نہ ستاتی ہو پھر دبے پاؤں آکر دیکھتا، اسی طرح آتا جاتا رہتا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوجاتا۔ فرمایا کہ کبھی حضرت کی خدمت میں بے وضو حاضر نہیں ہوا اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ حضرت اکثر شفقت اور محبت کا برتاؤ فرماتے۔ میں کبھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا کہ میں تو اپنی اصلاح کیلئے آیا ہوں، اور حضرت

کی شفقتیں ایسی ہیں کہ جن سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میں نااہل نہ سمجھا جارہا ہوں اور مجھے ناکارہ سمجھکر یہ شفقتیں ہو رہی ہیں۔ اس پر حضرت جواب میں فرماتے نہیں مولوی صاحب! مَیں تمہاری طرف سے بے خبر نہیں ہوں۔ اکثر یہ بھی ہوتا کہ بلا کسی قصور کے ڈانٹ دیا کرتے پھر دیکھتے کہ مجھ پر اس ڈانٹ کا کوئی اثر تو نہیں، مگر الحمدللہ کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا (سوانح حضرت رائے پوریؒ ص ۶۸)

حضرت امام ربّانی کا حضرت حاجی صاؔ کی خدمت میں قیام اور امتحان

تذکرۃ الرشید میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ابتدائی حالات کا ایک واقعہ جو شاید کہیں لکھوا بھی چکا ہوں۔ حضرت امام ربانی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تھانہ بھون میں رہتے ہوئے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا۔ آخر میں نے یہ سوچکر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی ہے اور ناگوار بھی۔ رخصت چاہی۔ حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو۔ مَیں خاموش ہوگیا۔ قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فکر ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیٰ حضرت مکان تشریف لیجانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمانے لگے میاں رشید احمد کھانے کی فکرمت کرنا ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے دستر خوان پر بٹھالیا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے علیحدہ اپنی طرف رکھا اور معمولی سالن کا پیالہ میرے قریب سرکا دیا۔ میں اپنے حضرت کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ اتنے میں حافظ ضامن صاحبؒ تشریف لائے۔ کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھکر اعلیٰ حضرت سے فرمایا۔ بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی

دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے۔ اعلیٰ حضرت نے بے ساختہ جواب دیا۔ "اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔" اس فقرہ پر اعلیٰ حضرت نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرما رہے ہیں بالکل سچ ہے اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت نے میرا کبھی امتحان نہیں لیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ "اسی لئے مجھے کچھ آیا نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت میانجیو کے ہمراہ ان کا جوتا بغل میں لیکر اور توبرہ گردن میں ڈال کر جھنجھانہ جاتے تھے اور ان کے صاحبزادہ کی سسرال بھی وہیں تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت سے جانا مناسب نہیں، وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی، میں جانے میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا (ارواح ثلاثہ)

مولوی احمد حسن صاحبؒ کا واقعہ حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی احمد حسن کانپوری صاحبؒ جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے ہیں۔ منشی محمد جان مرحوم کہتے تھے کہ میں نے ایک روز مولوی صاحب کو دیکھا کہ حضرت کی جوتی جو کہ مجلس سے باہر رکھی تھی سر پر رکھ کر زار زار رو رہے ہیں۔

بجز تضرع وزاری کے کوئی راستہ نہیں حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ ان کی درگاہ بے نیاز میں بجز تضرع وزاری کے کوئی کامیابی کا طریقہ نہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہر جگہ اس چیز کی قدر ہوتی ہے جو وہاں نایاب ہو، عجز وافتقار اور احتیاج مالک کے دربار میں مفقود ہے اس لئے کریم آقا کے یہاں جتنی قدر اس جنس

کی ہے ۔ دوسروں کی نہیں۔

شیخ کا تکدر

جیسے شیخ کے ساتھ محبت اس سلسلہ میں ضروری ہے ایسے ہی شیخ کی ناراضی اس میں سم قاتل ہے۔ اشرف السوانح میں لکھا ہے کہ بالخصوص تعلق ارادات قائم کر لینے کے بعد پھر گستاخی اور بے ادبی کرنا تو خاص طور سے زیادہ موجب وبال ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں کہ اس تعلق میں بعض اعتبار سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر و انفعال سے پاک ہیں اس لئے توبہ سے فوراً معافی ہو جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا کا ویسا ہی تعلق پیدا ہو جاتا ہے بخلاف اس کے بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے اس لئے طالب کی بے ادبی سے اس کے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو مانع ہو جاتی ہے تعدیہ فیض سے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی خوب مثال دی تھی۔ فرمایا کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر تو نہایت صاف شفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہنچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاء اعلیٰ سے فیوض و انوار نازل ہوتے رہتے ہیں ان کا تعدیہ ایسے طالب کے قلب پر جس نے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدر صورت ہی میں ہوتا ہے جس سے اس طالب کا قلب بجائے منور و مصفی ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے شیخ کے قلب کو مکدر کرنے اور مکدر رکھنے کا طالب پر یہ وبال ہوتا ہے کہ اس کو دنیا میں جمعیت قلب کبھی میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان

ہی رہتا ہے لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر فعل موجبِ تکدرِ شیخ معصیت ہی ہو، اس لئے ایسی صورت میں اس فعل سے براہِ راست تو کوئی دینی ضرر نہیں پہنچتا لیکن وہ بواسطہ اکثر سبب ہو ہی جاتا ہے دینی ضرر کا بھی۔ جس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اول شیخ کے قلب کا تکدر سبب ہوتا ہے طالب کے انشراحِ قلبی کے زوال کا اور پھر یہ عدمِ انشراح اکثر سبب ہو جاتا ہے کوتاہی اعمال کا۔ اور پھر یہ کوتاہیِ اعمال سبب ہو جاتی ہے دینی ضرر اور اُخروی وبال کا۔ گو عدمِ انشراح کی حالت میں ہی اگر وہ اپنی اختیار و ہمت سے برابر کام لیتا رہے اور اعمالِ صالحہ کو بتکلف جاری رکھے تو پھر کوئی بھی دینی ضرر نہ پہنچے۔ لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ انشراح کے فوت ہو جانے سے اعمال میں بھی کوتاہیاں ہونے لگتی ہیں، اسی طرح بواسطہ دینی ضرر کا بھی اکثر تحقق ہو ہی جاتا ہے کیونکہ جو داعیہ عادیہ تھا یعنی انشراح وہ تو جاتا رہا اور بلا داعیہ اکثر کو عمل بہت دشوار ہوتا ہے۔ اھ

اسی سلسلہ میں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں گو میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جب کسی نے کسی شخص کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا اور پھر بلا وجہ اس کے ساتھ خلافِ اعتقاد معاملہ کر کے اُس کو مکدر کر دیا تو اس صورت میں بھی ایسی ہی مضرتیں پہنچیں گی جیسے کاملین و مقبولین کو مکدر کرنے سے پہنچتی ہیں (اشرف السوانح ص ۶۵/۲)

آپ بیتی ۲ ص ۱۲۱ پر اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کشفی پیام کہ اللہ والوں سے ڈرتے رہنا ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے، اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حضرت اقدس مولانا الحاج عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے میں نے اس کا مطلب پُوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اُلٹی بات اُلٹی ہی ہوتی ہے لیکن اہل اللہ کے قلوب میں اگر کسی کی طرف سے تکدر پیدا ہو جائے خواہ وہ کسی غلط بات ہی کی وجہ سے ہو تو اُن کے پاک دل کا تکدر رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ

اس شخص کو کسی معصیت میں پھانس دیتا ہے۔ یہ بات میری خوب سمجھ میں آگئی اور اس کے نظائر میں نے بہت دیکھے، اسی لئے میں اسباق حدیث میں ہمیشہ طلباء کو اس پر بہت ہی زیادہ تنبیہ کرتا رہا کہ ان اللہ والوں سے بہت ڈرتے رہنا ان کے دل میں تمہاری طرف سے تکدر نہ پیدا ہونا چاہیئے اور یہ حب جملہ اہل اللہ کے ساتھ ہے تو جس شخص سے بیعت کا تعلق ہو اُس کے قلبی تکدر سے تو بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ قریب ہی حضرت حکیمُ الامت کے ارشاد میں بھی گذر چکا اور میرے ذاتی تجربے بھی اس کے متعلق بہت کثرت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اہل اللہ کے تکدر سے محفوظ فرمائے۔

سوانح کی فصل میں مضامین آپ بیتی پر اضافہ

از ناقل

طریق میں انقیاد کی ضرورت حضرت شیخ دام مجدہم نے اپنے ایک مکتوب میں جو ایک بزرگ کے خط کے جواب میں ہے فرمایا۔ طریق جو آپنے دریافت فرمایا، وہ ذکر اور رہ شیخ سے افتقاری محبت ہے۔ یعنی ایسی محبت جس سے محبوب کی طرف افتقار اور احتیاج قلب میں پائی جاتی ہو۔ جس کے لوازمات میں سے انقیاد ہے (مکتوبات تصوف ص۵) فیوض وانعاماتِ الٰہیہ کا واسطہ شیخ ہے۔ اس میں مرید کا ذرا سا بھی عدم انقیاد اور صورت اعتراض انعام واکرام کے منقطع ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ شرح شمائل الترمذی میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،

شمائل ترمذی میں سے حضرت ابو عبیدہ رض کی روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسری طلب

فرمائی۔ میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طلب فرمائی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بکری کی دو ہی بونگ ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیگچی سے بونگیں نکلتی رہتیں"۔ اس حدیث میں حضرت ابو عبیدہؓ کے اس کہنے پر کہ بکری کی دو ہی بونگیں ہوتی ہیں آئندہ کا سلسلہ بند ہو جانا مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک اس بنا پر ہے کہ معجزات، کرامات اور اس قسم کے خوارق کا پیش آنا فنارِ تامّہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس جواب کی وجہ سے حضورؐ کی وہ توجہ تام جو پہلے سے تھی باقی نہ رہی اور توجہ کے انقطاع کی وجہ سے یہ چیزیں منقطع ہو گئیں۔ علامہ منادی کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ ایک انعام الٰہی تھا، اگر یہ انقیادِ تام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہتے تو وہ باقی رہتا لیکن ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی جو موقعہ کے مناسب نہ تھی اس لئے وہ اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔ اس واسطے صوفیاء اکرام نے کمال ارادت اور شیخ کی عدم مخالفت کے متعلق یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ مرید کو پتی کے تصرف میں ہونا بھی اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ اپنے تصرف میں رہے۔

آدابِ مریدین

ارشاد الملوک صـ۲۷ میں حضرت قطبِ عالم گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے ظاہری و باطنی احترام میں کوتاہی نہ کرے۔ احترامِ ظاہری تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ مناظرہ نہ کرے اور جو کچھ اس سے سُنے اگرچہ یقیناً جانتا ہو کہ غلط ہے تاہم اُس کے ساتھ حجّت نہ کرے کیونکہ اُس کی نظر اس کی نظر سے اور اُس کا علم اِس کے علم سے بہر حال بڑھا ہوا ہے اور کامل ہے۔ نیز شیخ کے سامنے جا نماز پر نہ بیٹھے، مگر

بضرورت نماز اور نماز کے بعد فوراً جا نماز اٹھائے اور زمین پر آبیٹھے اور نوافل بھی اس کے سامنے نہ پڑھے اور جو کچھ شیخ فرمائے اس کی تعمیل کرے اور حتی المقدور اس میں کوتاہی نہ کرے اور شیخ کی جا نماز پر قدم نہ رکھے اور شیخ کے سامنے بلکہ دوسروں کے سامنے بھی ایسی حرکت نہ کرے جو اہل معرفت کی خصلتوں کے خلاف ہو اور مشائخ کے چہرہ پر بار بار نگاہ نہ ڈالے اور ان کے ساتھ انبساط اور بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرے مگر یہ کہ وہی اجازت دیں۔ اور کوئی کام ایسا نہ کرے جو شیخ کی گرانی کا سبب ہو، بلکہ ہمیشہ گردن جھکائے رہے اور لوگوں کے منہ بھی نہ تکے کہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور باطنی احترام یہ ہے کہ شیخ پر کسی امر میں انکار نہ کرے اور ظاہر کی طرح باطن میں قولاً و فعلاً اور ہر حرکت و سکون ہر انداز سے لحاظ قائم رکھے ورنہ نفاق میں مبتلا ہو جائے گا (انتہی ارشاد) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابۂ کرامؓ کی حالت اور ان کی مجلس کا نمونہ ان مذکورہ آداب کی دلیل ہے۔ کأن الطیور علیٰ رؤسهم بہت مشہور منظر ہے اور حضرت شیخ کا رسالہ حکایات صحابہؓ میں حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے صحابہؓ کی محبت کے باب میں تفصیل ہے (ارشاد ص۱۵) جو شیخ اخلاق نبویؐ سے متصف ہوگا تو وہ بے شک مریدوں کی تربیت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہوگا اور جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک خاص قسم کی رشد و ہدایت سیکھنے کیلئے خضر علیہ السلام کی معیت چاہی اور خضر علیہ السلام نے جواب دیدیا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے (کیونکہ جو علم مجھ کو دیا گیا ہے وہ احکام قضا و قدر کا اجراء اور اس کی مخفی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم ہے جس کو احکامِ شرعیہ کا عالم شخص ان پر آگاہ نہ ہونے کے سبب ضبط نہیں کر سکتا کیونکہ بظاہر خلاف ہونا ان کا ممکن ہے) قصہ مختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ضبط کا وعدہ فرما کر ہمراہی

اختیار کی، لیکن ضبط نہ کر سکے اور اعتراض کیا۔ آخر تیسری بار میں تفریق کی نوبت آگئی جیساکہ مفصل حال سُورۂ کہف میں مذکور ہے۔ اسی طرح مریدوں کو اپنے شیخ کا ایسا اتباع کرنا چاہیئے کہ اس پر اعتراض نہ کرے اور ادب اور تعمیلِ حکمِ شیخ کو فرض سمجھے۔ کسی طرح بھی انحراف کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ موسٰی علیہ السّلام تو پیغمبر صاحب شریعت ہونے کی وجہ سے افضل تھے محض طبعی شوق سے ایک ضروری علم سیکھنے کو خضر علیہ السّلام کے ساتھ رہنے کے خواہاں ہوئے تھے تو اعتراض کرنے کی وجہ سے گو گنہگار نہیں ہوئے مگر اس علم سے تو ناکام رہے۔ پھر کیا پُوچھنا مرید کا کہ جاہل بن کر راہبر شیخ کا دامن پکڑا اور ضروری علم یعنی معرفتِ خداوندی حاصل کرنے کیلئے اپنے سے افضل و اعلیٰ کی معیت اختیار کی۔ پس اگر اعتراض کریگا تو محروم رہ کر خسارہ ہی خسارہ اُٹھائے گا۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں جناب رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں" (انتہیٰ) اور نبی اسمِ مبارک ہادی کا مظہر ہوتا ہے، اس لئے ارشاد میں شیخ کو مظہرِ خدا فرمایا ہے اور **ضیاء القلوب میں حضرت سید الطائفہ حاجی صاحب قدس سرہٗ صـ۶۱ میں** فرماتے ہیں کہ مرشد کے حکم و ادب کو خدا و رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور ادب کی جگہ سمجھے کیونکہ مرشدین خدا و رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں۔[۱]

جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے کہ بہت ہی نزاکت اور احتیاط کی ضرورت ہے، چنانچہ سچی ارادت و محبت والے مریدوں سے سُنا کہ گھر سے گناہ کر کے یا کبر و غفلت وغیرہ کی حالت میں شیخ کے پاس جاؤ تو شیخ کی آنکھ اور معاملہ بدلا ہوا ہوتا ہے اور

---

[۱] مرشد کی اتباع و اطاعت بطور نیابت کے ہوگی یعنی خدا و رسُولؐ ہی کے احکام پر چلنے اور عمل میں کمال پیدا کرنے کیلئے مرشد کی پیروی کی جائے گی نہ کہ اُن کو مستقل مطاع سمجھ کر، کہ کسی نے خود ساختہ حلال کو

ندامت و توبہ اور تواضع کی تباہی حالت (جس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں) میں شیخ کی آنکھ اور معاملہ دوسرا ہوتا ہے۔ گویا محبوب حقیقی کی رضا، اور عدم رضا کا یہ محبوب مجازی آئینہ ہوتا ہے، اس طرح سے ان کی نظر و توجہ بلا زبان کے مرید کی اصلاح کرتی جاتی ہے۔ اس معاملہ کو تفصیل میں لانا نہ تو ممکن ہے نہ مفید کیونکہ کوتاہ علمی کی وجہ سے عوام کے عقائد کی خرابی کا خطرہ ہے۔ یہ شیخ کی معنوی کرامات ہیں جو کہ اہل بڑی کھلتی ہیں۔ شیخ سے ایسے معاملہ اور ربط کی حالت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرت سلطان جی کا واقعہ چنانچہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سلطان جی نظام الدین اولیاءؒ کے پاس عوارف کا ایک بوسیدہ نسخہ تھا۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ اس کا ایک اچھا اور صحیح نسخہ فلاں جگہ میں نے دیکھا ہے۔ حضرت شیخ کو یہ قول ناگوار ہوا۔ اور دو تین مرتبہ فرمایا کہ مجھ میں اس کے درست کرنے کی استعداد نہیں۔ وہ مرید کہتے ہیں کہ میں نے یہ نہ خیال کیا کہ حضرت شیخ مجھ پر ناگواری ظاہر فرما رہے ہیں۔ ایک صاحب جو پاس ہی بیٹھے تھے اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت تم ہی کو کہہ رہے ہیں میں نے معذرت چاہی کہ مجھے قطعاً حضرت کی تنقیص کا خیال نہ تھا معاف فرمائیے۔ مگر شیخ کی ناگواری نہ گئی۔ میں نہایت پریشان وہاں سے نکلا، ایک کنوئیں کے پاس گیا کہ ڈوب مروں مگر پھر خیال کیا کہ سخت بدنامی ہوگی۔ اس لئے اس خیال سے باز آیا اور اسی پریشانی میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ ایسا سخت دن مجھ پر کوئی نہیں گذرا۔ اللہ تعالیٰ وہ دن پھر نہ لائے۔ شیخ کے صاحبزادہ سے میری دوستی تھی، اُنھوں نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ وہ شخص آپ کی ناخوشی سے اتنا پریشان ہے کہ ہلاکت کا خوف ہے، معاف فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخ نے مجھے بلایا اور میری خطا کو معاف کیا اور فرمایا کہ تمہاری تکمیل کیلئے ایسا کیا تھا اور خلعت عطا فرمایا۔

جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے یہاں تنور میں ایک مرغ بھونے کیلئے رکھ گئے تھے۔ شیخ کی زیارت کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو شیخ کی خواہش ہوئی کہ ابھی رک جائیں مگر وہ کوئی ضرورت بتلا کر چلے ہی آئے اور وہ بھنا ہوا مرغ تنور سے نکال کر رکھدیا۔ ایک کتا آیا اور لے گیا۔ اور جب دوبارہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ کے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دیا جاتا ہے۔

عید کی نماز کہاں پڑھوگے؟ حضرت جنیدؒ کا سوال حضرت جنیدؒ کے پاس چار شخص آئے۔ پوچھا کہ عید کی نماز کہاں پڑھوگے ایک نے کہا مکہ شریف میں۔ دوسرے نے کہا مدینہ طیبہ میں۔ تیسرے نے کہا بیت المقدس میں۔ چوتھے نے کہا آپ ہی کے پاس بغداد میں۔ فرمایا انت ازھدھم واعلمھم وافضلھم کہ تو سب سے زیادہ دنیا سے منہ موڑنے والا اور سب سے زیادہ عالم اور افضل ہے (کہ نفل ثوابوں کے مقابلہ میں شیخ کے پاس رہ کر علم حاصل کرنے کا فرض ادا کرتا رہیگا)

حضرات مشائخ نے تصوف کی جو کتاب بھی لکھی اس میں شیخ و مرید کے آداب ضرور لکھے کیونکہ اہل طریق نے کہا ہے انما حرموا الوصول بتضییعھم الاصول۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا رسالہ جس کا ترجمہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دام مجدہم نے کیا قابل دید ہے اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی ایک مستقل کتاب آداب المریدین ہے۔ بندہ یہاں پر حضرت سہروردی قدس سرہٗ کی مشہور و مقبول کتاب عوارف المعارف کے ایک باب "آداب المریدین" کو نقل کرتا ہے اس کے بعد ایک مشورہ عرض کر کے ختم کریگا جو کہ اس اشاعت والی تحریر کا مقصد ہے۔

آدابُ المریدین از عوارف

آداب المریدین از عوارف اردو ترجمہ صــ۶۳ـــ صوفیاء کے نزدیک مشائخ کے مریدوں کے آداب کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس معاملہ میں وہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے عمل کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝ (پ سورہ حجرات) (ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں "قبیلہ بنو تمیم کا ایک وفد رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا قعقاع بن معبد کو امیر بناؤ"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں! بلکہ اقرع بن حابس امیر ہو"۔ اس معاملہ میں وہ اس قدر جھگڑنے لگے کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے "آپؐ کی گفتگو سے پہلے مت بولا کرو"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لوگ آپؐ سے پہلے قربانی کر لیا کرتے تھے اس لئے اُنہیں منع کیا گیا کہ وہ آپؐ سے پہلے قربانی نہ کریں"۔ (اسی سلسلہ میں) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض حضرات یہ کہتے تھے "کاش ایسی اور ایسی باتوں میں وحی نازل ہوتی"۔ حضرت عائشہؓ (اس آیت کی تفسیر میں) فرماتی ہیں "اپنے پیغمبر کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو"۔ کلبی کا قول ہے "(اس سے مُراد یہ ہے) قول و عمل کسی چیز میں رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سبقت نہ کرو تاکہ صرف آپؐ ہی ہمیں کسی کام کا حکم دیں"۔ یہی طرزِ عمل مرید کا ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی اپنا ارادہ اور اختیار باقی نہ رہے بلکہ

وہ اپنی ذات اور مال میں بھی شیخ کے مشورہ اور حکم کے بغیر تصرّف نہ کرے۔ ہم نے مشیخت کے باب میں اس کی تفصیل بیان کی ہے (مذکورہ آیت کی تشریح میں) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آگے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آگے چلو حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں (ایک دفعہ) میں حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہا تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا "کیا تم اس کے آگے چل رہے ہو جو دُنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے"۔ ایک دوسری شانِ نزول بھی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محفل میں حاضر تھی، جب آپؐ سے کوئی بات پُوچھی جاتی تو وہ لوگ خود بخود آپؐ سے پہلے اس کا جواب دیدیتے تھے۔ لہٰذا انھیں اس بات سے منع کیا گیا۔

مجلسِ شیخ کے آداب

مجلسِ شیخ میں مریدوں کیلئے بھی اسی قسم کے آداب مقرر ہیں۔ مرید شیخ کے سامنے بالکل خاموش بیٹھا رہے اور ان کے رُوبرو کوئی اچھی بات بھی نہ کہے جب تک کہ وہ شیخ سے اجازت طلب نہ کرے اور اس طرف سے اجازت نہ ملے۔ شیخ کی بارگاہ میں مرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے کنارے بیٹھا خدا کی طرف سے رزق کا انتظار کرے وہ بھی گوش بر آواز ہو کر کلامِ شیخ کے سماع کے ذریعہ روحانی رزق کا انتظار کرتا ہے۔ اس طرح اس کی عقیدت مندی اور طلبِ حق کا مقام مستحکم ہوتا ہے مگر جب وہ خود بات کرنیکا ارادہ کرے تو یہ جذبہ اسے مقامِ طلب سے لوٹا دیتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے یہ مرید کی بڑی زیادتی اور غلطی ہے۔

مرید کو اپنی مبہم رُوحانی حالت کو واضح کرنے کیلئے شیخ سے سوال کرنا چاہیئے، مگر طالب صادق کو شیخ کے رُوبرو سوال کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ جو چاہتا ہے اُسے ظاہر کر دیتا ہے

اور شیخ خود اس سے صحیح بات معلوم کرا لیتا ہے، بلکہ شیخ مخلص انسانوں کے رُو برو اپنے قلب کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ان کے لئے بارانِ رحمت اور بہتری کی دعا کرتا ہے اسی وقت اس کا دل اور زبان ان طالبانِ حق کے اہم احوال کی گفتگو میں مشغول ہوتی ہے جو اس کے دینے کے محتاج ہوتے ہیں۔

شیخ، طالبِ حق کے قول سے اس کی حالت کا صحیح اندازہ لگاتا ہے کیونکہ قول ایک تخم کے مانند ہے جسے زمین میں ڈالا جاتا ہے، اگر بیج خراب ہو تو کچھ نہیں اُگتا، اسی طرح نفسانی خواہش کی آمیزش سے بات بگڑ جاتی ہے۔ شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ کلام کے تخم کو نفسانی خواہش کی آمیزش سے پاک کرے اور اسے اللہ کے سپرد کر کے اس سے مدد اور ہدایت کا خواہاں ہو، اس کے بعد کوئی بات کہے۔ اس طرح اس کی گفتگو حق تعالیٰ کی مدد سے مکمل صداقت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

شیخ کا درجہ شیخ مریدوں کیلئے الہام کا محافظ ہے جس طرح حضرت جبرئیلؑ وحی کے محافظ تھے کہ وہ وحی میں خیانت نہیں کرتے تھے اس طرح شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا۔ اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفسانی خواہش کے مطابق گفتگو نہیں فرماتے تھے اُسی طرح شیخ بھی ظاہر و باطن میں آپ کی پیروی کرتا ہے اور نفسانی خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتا۔

نفسانی خواہش کے اسباب کلام میں نفسانی خواہش کے دو سبب ہوتے ہیں۔ اوّل لوگوں کے دلوں پر قابو پانا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنا۔ یہ چیز مشائخ کی شان کے خلاف ہے۔ دوم کلام کی شیرینی اور لذت کی وجہ سے نفس کا غالب آکر خود پسند ہو جانا محققین کے نزدیک یہ بھی خیانت ہے۔ لہٰذا جب شیخ زبان سے کچھ بولتا ہے تو اُس وقت اس کا نفس خوابیدہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول رہ کر نفسانی

غلبہ کے فوائد یعنی خود بینی اور خود پسندی سے محروم رہتا ہے، بلکہ خود شیخ کی زبان پر حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے جو کلمات صادر ہوتے ہیں انہیں بھی وہ سامعین کی طرح غور سے سنتا ہے۔

موتی کی تلاش شیخ ابو سعود اپنے الہام کے مطابق اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے اور فرماتے تھے میں بھی تمہاری طرح یہ گفتگو سنتا ہوں۔ ایک صاحب جو وہاں موجود تھے یہ بات نہ سمجھ سکے اور کہنے لگے بات کہنے والا اپنی بات کو خوب جانتا ہے وہ ایسے سامع کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو اس سے ناواقف ہو اسی وجہ سے وہ اس بات کو سنتا ہے یہ کہہ کر وہ اپنے گھر واپس آ گئے۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آدمی ان سے یہ کہہ رہا ہے کیا غوطہ خور موتی کی تلاش میں سمندر میں غوطہ نہیں لگاتا بلکہ وہ اپنی ہتھیلیوں میں سیپیوں کو جمع کرتا ہے جن میں موتی موجود ہوتے ہیں مگر وہ ان موتیوں کو اس وقت دیکھتا ہے جب وہ سمندر سے نکل آتا ہے اس وقت جو ساحل پر ہوتے ہیں وہ بھی موتیوں کے دیکھنے میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ خواب میں شیخ موصوف کی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لہٰذا مرید کیلئے بہترین ادب یہی ہے کہ شیخ کے سامنے مکمل سکوت اختیار کرے تاآنکہ شیخ اس کے قول و فعل کی بہتری کیلئے خود افتتاح کرے۔

مذکورہ بالا آیت کی توجیہہ میں یہ مفہوم بھی سمجھا گیا ہے کہ کوئی اپنے مرتبہ سے بڑھ کر مرتبہ طلب نہ کرے۔ یہ بھی آداب مرید کا اہم حصہ ہے کہ مرید کیلئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیخ سے اعلیٰ رتبہ طلب کرنے کیلئے آمادہ نہ کرے بلکہ صرف اپنے شیخ محترم کے لئے تمام اعلیٰ مراتب کا خواہاں رہے اور انہیں کیلئے تمام اعلیٰ فیوض و برکات کا متمنی رہے۔ ایسے ہی موقع پر مرید کے حسن عقیدت کے جوہر کھلتے ہیں۔ گو مریدوں میں یہ بات بہت نادر ہے تاہم شیخ نے حسن عقیدت کی بدولت اسے اپنی تمناؤں سے بڑھ کر فیض حاصل ہوتا ہی کیونکہ عقیدت و ارادت کے حدود و آداب قائم ہوتے ہیں۔

آداب کی اہمیت | شیخ عطیؒ فرماتے ہیں "حسن ادب عقل کا ترجمان ہے"۔ شیخ ابو عبداللہ بن خفیف فرماتے ہیں "مجھ سے شیخ رویم نے کہا اے میرے فرزند! اپنے عمل کو نمک اور اپنے ادب کو آٹا بناؤ"۔ کہتے ہیں تصوف سراپا ادب ہے چنانچہ ہر وقت اور ہر مقام کیلئے مخصوص ادب ہے۔ جو ادب کو اختیار کرتا ہے وہ مرد کامل کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور جو ادب سے محروم رہے وہ مقام قرب سے دور اور مقام قبول سے مردود ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صحابہؓ کو ادب سکھلانے کیلئے بھی ارشاد فرمایا نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو (اسی کے شانِ نزول میں کہا گیا ہے کہ) حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے کان میں گرانی تھی اور وہ بلند آواز تھے، کسی سے گفتگو کرتے تو بہت اونچی آواز سے بولا کرتے تھے تو آپؐ کو ان کی آواز سے تکلیف پہنچتی تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر انہیں اور دوسرے لوگوں کو ادب سکھایا۔

ہمیں اپنے شیوخ کی اسناد سے یہ حدیث معلوم ہوئی ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا "اقرع بن حابس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آپؐ انہیں ان کی قوم کا حاکم بنا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انہیں حاکم نہ بنائیے۔ اس طرح وہ آپؐ کے سامنے بولتے رہے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم صرف میری مخالفت کرنا چاہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! میرا منشا تمہاری مخالفت نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی"۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ آپؐ کے سامنے بولتے تھے تو ان کی بات اس وقت تک نہیں سنی جا سکتی تھی جب تک کہ ان سے (دوبارہ) نہ پوچھا جائے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

کے سامنے ایک سرگوشی کرنے والے بھائی کی طرح گفتگو کیا کریں گے۔ اسی طرح شیخ کے سامنے مرید کا یہ طرزِ عمل ہو کہ وہ نہ تو اونچی آواز سے بولے نہ بہت ہنسے اور نہ بہت گفتگو کرے بجز اس صورت کے کہ شیخ اسے اجازت دے کیونکہ آواز کا بلند کرنا وقار کے پردہ کو اُٹھا دیتا ہے تاہم اگر وقار دل میں جاگزیں ہو جائے تو زبان پر مہرِ سکوت لگ جاتی ہے۔

شیخ کا ادب بعض مریدوں پر اپنے شیخ کا اس قدر ادب اور رعب طاری رہتا ہے کہ وہ شیخ کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ خود میری یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ مجھے بخار آیا، اس موقع پر جب میرے چچا اور شیخ محترم ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ گھر میں داخل ہوئے تو میرا تمام جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اس وقت میں بھی پسینہ لانا چاہتا تھا کہ بخار ہلکا ہو جائے، چنانچہ شیخ محترم کے داخل ہونے پر یہ بات حاصل ہو گئی اور آپ کی آمد کی برکت سے مجھے شفا ہو گئی۔

ایک دن میں گھر میں تنہا تھا وہاں وہ رومال بھی رکھا ہوا تھا جو شیخ محترم نے مجھے عنایت فرمایا تھا اسے آپ عمامہ کے طور پر باندھتے تھے۔ اتفاق سے میرا قدم رومال پر پڑ گیا، اس فعل سے میرے دل کو سخت تکلیف پہنچی اور شیخ کے رومال کو پاؤں سے روندنے سے مجھ پر ہیبت و دہشت طاری ہو گئی، اُس وقت میرے اندرون قلب میں آپ کی عزت و احترام کا جو جذبہ پیدا ہوا وہ مبارک جذبہ تھا۔

شیخ بن عطا نے مذکورہ بالا آیت کی توجیہہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ آواز بلند کرنے کی ممانعت معمولی غلطی پر ایک قسم کی دھمکی ہے تاکہ کوئی اپنی حد سے آگے بڑھ کر عزت و احترام کو ترک نہ کر دے۔

شیخ سہل نے فرمایا "آپ سے اسی وقت خطاب کرو جب کوئی بات پوچھنا چاہو"۔ شیخ ابوبکر بن طاہر نے (مذکورہ بالا آیت کی توجیہہ میں) یہ فرمایا ہے "آپ سے مخاطب

ہونے میں پہل نہ کرو اور عزت و احترام کی حدوں میں رہتے ہوئے آپؐ کی بات کا جواب دو۔
جس طرح تم ایک دوسرے سے زور زور سے بولتے ہو اس طرح آپؐ کے سامنے گفتگو نہ کرو۔
اور نہ آپؐ سے سخت آواز سے بولو اور نہ آپؐ کو نام لے کر پکارو۔ یعنی یا محمدؐ یا احمدؐ نہ کہو جیسا
کہ تم ایک دوسرے کو اس کے نام سے پکارتے ہو بلکہ آپؐ کی عزت و احترام کرو (اگر پکارنا
چاہو) اس طرح پکارو "یا نبی اللہؐ" "یا رسول اللہؐ"

لہٰذا مرید شیخ سے مذکورہ بالا طریقہ سے مخاطب ہوا کرے کیونکہ جب وقار اور
سنجیدگی قلب میں جاگزیں ہو تو وہ زبان کو صحیح خطاب کرنے کا طریقہ سکھا دیتی ہے چونکہ
قدرتی طور پر طبائع میں اولاد اور بیویوں کی محبت پائی جاتی ہے اور نفسانی خواہش
وقت اور مواقع کے لحاظ سے گھڑ لیتی ہیں لیکن اگر قلب حرمت و وقار سے معمور ہو تو وہ
زبان کو صحیح عبارت آرائی سکھا دیتا ہے۔

ثابت بن قیسؓ کا واقعہ روایت ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو حضرت
ثابت بن قیس راستہ میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصمؓ بن عدی ان کے پاس سے گذرے
تو پوچھا ثابت! کیوں رو رہے ہو؟" کہا "مجھے اندیشہ ہے کہ مذکورہ بالا یہ آیت میرے
بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے تم پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ ایسا
نہ ہو کہ تمہاری بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ
آلہٖ وسلم کے سامنے زور زور سے بولتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میرا عمل اکارت نہ چلا جائے اور میں
دوزخی نہ بن جاؤں۔"

یہ سن کر حضرت عاصمؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چلے گئے مگر حضرت ثابتؓ
پر بدستور اشک باری کا غلبہ رہا۔ وہ اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی کے پاس آئے
اور ان سے کہا "جب میں گھوڑے کے اصطبل کے اندر جاؤں تو دروازہ بند کر کے قفل لگا دو"

چنانچہ اُنہوں نے قفل لگادیا۔ جب وہ وہاں سے نکلیں تو اُنہیں بھی ان کی حالت پر ترس آیا۔ حضرت ثابتؓ نے کہا "میں نہیں نکلوں گا تا آنکہ یا تو اللہ مجھے موت دے یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو جائیں۔ جب حضرت عاصمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تو اُنہوں نے حضرت ثابتؓ کا پورا حال سنایا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اُنہیں بلالاؤ۔ یہ سُن کر حضرت عاصمؓ وہاں پہنچے جہاں اُن کو دیکھا تھا، مگر وہ وہاں نہیں تھے۔ اس کے بعد وہ ان کے گھر آئے اور اُنہیں گھوڑے کے اصطبل میں پایا۔ وہ کہنے لگے "رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں بلارہے ہیں۔" اُنہوں نے کہا "دروازہ توڑدو۔" آخر وہ دونوں رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے پُوچھا "اے ثابت! تم کیوں رو رہے ہو؟" انہوں نے عرض کیا "میں بلند آواز ہوں۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" آپ نے فرمایا "کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ سعادت مندی کے ساتھ زندگی گذارو اور درجۂ شہادت حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جاؤ۔" انہوں نے عرض کیا "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش خبری سے مطمئن ہوں اور آئندہ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زور سے نہیں بولوں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جو رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا خدا نے امتحان لیا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں "ہم دیکھا کرتے تھے کہ ایک جنتی آدمی ہمارے سامنے جا رہا ہے۔" جب مسیلمہ کذاب سے جنگِ یمامہ ہوئی تو ثابت بن قیس نے مسلمانوں میں کمزوری دیکھی اُن کی ایک جماعت کو شکست ہوگئی تو وہ کہنے لگے "ان لوگوں پر افسوس ہے وہ کیا کررہے ہیں؟" اس کے بعد حضرت ثابتؓ نے حضرت سالم بن حذیفہؓ سے کہا "ہم اللہ کے دشمنوں کے خلاف رسُولُ اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس طرح (کمزوری کے ساتھ) نہیں کرتے تھے۔" یہ کہکر وہ دونوں ڈٹ گئے اور لڑتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حذیفہؓ شہید ہو گئے اور حضرت ثابتؓ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدہ کے مطابق درجۂ شہادت حاصل کیا، اُس وقت وہ زرہ پہنے ہوئے تھے۔

حضرت ثابتؓ کی کرامت ان کی شہادت کے بعد ایک صحابی نے اُنہیں خواب میں دیکھا تو حضرت ثابتؓ نے ان سے کہا "تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ فلاں مسلمان میری زرہ نکال کر لے گیا ہے وہ فوج کے فلاں حصہ میں ہے، اُس کا ایک گھوڑا بھی ہے جو آگے پیچھے خوب دوڑتا ہے۔ اور اُس نے میری زرہ پر سنگین ہانڈی رکھی ہوئی ہے لہٰذا تم خالد بن ولیدؓ کے پاس جاکر اس کی اطلاع کرو تاکہ وہ میری زرہ کو لوٹا سکے۔ نیز خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاکر کہو مجھ پر کچھ قرضہ ہے تاکہ وہ میرا قرضہ ادا کریں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے (ان کی ہدایت کے مطابق) اس صحابی نے حضرت خالدؓ کو اطلاع دی تو جیساکہ اُنھوں نے بیان کیا تھا اُنہیں زرہ اور گھوڑا ملا، لہٰذا زرہ اس سے واپس لے لی گئی، اس کے بعد حضرت خالدؓ نے اس خواب سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مطلع کیا اور اُنھوں نے اس کے مطابق ان کی وصیت نافذ کی۔

حضرت مالک بن انسؓ فرماتے ہیں "مجھے نہیں معلوم کہ اس وصیت کے علاوہ اور کوئی وصیت کسی کے مرنے کے بعد پوری کی گئی ہو"۔ دراصل یہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی کرامت تھی جس کا ظہور اُن کے تقوے اور حسنِ ادب کی بدولت ہوا۔ لہٰذا ایک طالبِ صادق اس سے سبق حاصل کرے اور اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا شیخ اللہ اور اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار ہے لہٰذا اپنے شیخ پر اس کا اعتماد ہونا چاہیئے جیساکہ رسول اللہ

تقویٰ کا امتحان | جب ایک جماعت نے ادب کے فرائض کو سرانجام دیا تو حق تعالےٰ نے ان کا حال ظاہر کر کے ان کی اس طرح تعریف کی "یہ وہ لوگ ہیں جن کے تقوٰے کی بدولت اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا"۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو آزما کر انہیں ایسا کھرا اور خالص کر دیا جیسا کہ سونے کو آگ کے ذریعہ پگھلا کر خالص کیا جاتا ہے اور جس طرح زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور دل کو باادب رکھنے کیلئے الفاظ کو مہذب اور شائستہ بنایا جاتا ہے اسی طرح مرید کے شیخ کے ساتھ تعلقات ہونے چاہئیں۔

شیخ ابوعثمان فرماتے ہیں اکابر اور بڑے بڑے اولیاء کرام کا ادب کرنا انسان کو اعلیٰ مراتب تک پہنچا دیتا اور آخرت کی بھلائی عطا کرتا ہے (ادب کی تعلیم) جیسا کہ تمہیں معلوم ہے خدا نے دی ہے وہ (ان مذکورہ بالا آیات سے آگے چلکر) فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى ..... اور اگر اُس وقت تک وہ صبر کرتے جب تک کہ تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ {پ ۲۶ سورۂ حجرات} آپؐ ان کیلئے نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا"۔

اس طرح تعلیم دیکر یہ بھی فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

{پ ۲۶ حجرات} درحقیقت وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے ہیں۔

یہ بنو تمیم کے وفد کا حال تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آکر پکار کر کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے پاس باہر آیئے کیونکہ ہماری تعریف زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے۔" آپنے ان کی یہ بات سُن لی، چنانچہ آپؐ نے باہر آکر اُن سے کہا،

یہ خدا کی ذات ہے جس کی مذمت عیب ہے، اور اس کی تعریف زیب و زینت ہے۔" اس واقعہ کا ایک طویل قصہ ہے بہرحال وہ اپنے شاعر اور خطیب کو لیکر آئے تھے تو حسان بن ثابتؓ (شاعری میں) اور مہاجرین وانصار کے نوجوان خطبے میں ان پر غالب آگئے۔

اس واقعہ سے ایک طالبِ حقیقت کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ شیخ کے پاس اور اس کی طرف پیش قدمی کرنے میں ادب اختیار کرے، جلد بازی سے کام نہ لے بلکہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ شیخ اپنی خلوت گاہ سے باہر آئے۔

حضرت عبدالقادرؒ کا طرزِ عمل میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے پاس جب کوئی ملاقاتی درویش آتا تھا تو آپ کو اس کی اطلاع دی جاتی تھی۔ آپ دروازہ کا ایک کونہ کھول کر نکلتے تھے۔ اس سے مصافحہ اور سلام کرتے مگر اس کے پاس بیٹھتے نہ تھے بلکہ سیدھے اپنی خلوت گاہ کی طرف چلے جاتے تھے، مگر جب کوئی ایسا آدمی آتا جو درویشوں کے زمرہ سے تعلق نہ رکھتا ہو، تو اس وقت آپ نکلکر اُس کے پاس بیٹھتے تھے۔ ایک درویش کو آپ کا یہ رویّہ کسی قدر بُرا معلوم ہوا کہ آپ درویش کے پاس نکلکر نہیں بیٹھتے مگر جو درویش نہیں ہوتا اُس کے پاس بیٹھتے ہیں۔ اس درویش کے اس خیال کی خبر شیخ محترم تک بھی پہنچ گئی، تو آپ نے فرمایا درویش کے ساتھ ہمارا گہرا تعلق ہے اور وہ اس کا مستحق بھی ہے، اس کے ساتھ ہماری کوئی مغائرت اور تکلف نہیں۔ لہٰذا اس موقع پر ہم دلوں کی موافقت پر اکتفا کرتے ہوئے صرف معمولی ظاہری ملاقات کو کافی سمجھتے ہیں مگر جس کا درویشوں سے تعلق نہ ہو تو اس کے ساتھ ظاہری رسم و رواج کے مطابق سلوک کرنا ہوتا ہے کیونکہ اگر اس کے ساتھ ظاہرداری نہیں برتی جائے تو اسے وحشت ہوتی ہے۔

مرید اور شیخ کے تعلقات لہٰذا ایک طالبِ حقیقت کا فرض یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ باادب رہ کر اپنے ظاہر و باطن کی اچھی طرح تعمیر کرے۔ شیخ ابو منصور مغربی سے پوچھا گیا، آپ

شیخ ابو عثمان کی صحبت میں کب تک رہے ؟ کہا " میں اُن کی صحبت میں نہیں رہا بلکہ ان کی خدمت کی تھی۔ کیونکہ صحبت کا اطلاق رُوحانی بھائیوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر مشائخ کی خدمت کی جاتی ہے ۔ مرید کیلئے یہ مناسب ہے کہ جب شیخ کے بارے میں اُسے کوئی دشواری پیش آئے تو وہ حضرت خضرؑ کے ساتھ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے واقعہ کو یاد کرے کہ کس طرح حضرت خضر علیہ السّلام ایسے کام کرتے تھے جنھیں حضرت موسٰے علیہ السّلام ناپسند کرتے تھے ۔ مگر جب حضرت خضرؑ نے ان کو اپنے پوشیدہ رازوں سے آگاہ کر دیا تو حضرت موسٰیؑ کے اعتراضات ختم ہو گئے ۔ لہٰذا اگر اپنی کم علمی کی وجہ سے شیخ کا کوئی فعل اسے ناگوار معلوم ہو تو سمجھ لے کہ شیخ علم وحکمت کی زبان سے اس کی توجیہہ پیش کر سکتا ہے ۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک ساتھی نے ان سے ایک مسئلہ پُوچھا ، حضرت جنیدؒ نے اس کا جواب دیدیا ۔ اِس پر اُس نے اعتراض کیا تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا ، اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لو ۔

ایک شیخ کا مقولہ ہے " اگر کوئی شخص واجب التّعظیم ہستی کا احترام نہیں کرتا تو وہ ادب کی برکت سے محروم ہے " ۔ کہتے ہیں جو اپنے استاد کو نفی میں جواب دے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا ۔ ترمذی کی حدیث اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا " جو بات میں نے چھوڑ دی وہ بات تم بھی چھوڑ دو اور جو بات میں بیان کروں اُسے قبول کرو ، کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں وہ بہت زیادہ سوالات کرنے اور اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرنے کی بنا پر ہلاک ہوئے " ۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں " میں نے شیخ ابو حفص نیشاپوری کے پاس ایک بیحد خاموش انسان کو دیکھا ، وہ بولتا نہ تھا ۔ جب میں نے اُن کے ساتھیوں سے پُوچھا یہ کون ہے

تو مجھے بتایا گیا کہ یہ انسان شیخ ابو حفص کے ساتھ رہتا ہے اور ہماری خدمت کرتا ہے، اس نے ان پر اپنے ایک لاکھ درہم خرچ کئے ہیں اور مزید ایک لاکھ درہم قرض لیکر وہ بھی خرچ کر دیئے مگر شیخ ابو حفص ان کو ایک کلمہ بولنے کی اجازت نہیں دیتے۔ شیخ ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں "میں ابو علی سندی کی صحبت میں رہا انہیں ان کے فرائض کی تلقین کرتا تھا اور وہ مجھے خالص توحید و تصوف کی تعلیم دیتے تھے۔

شیخ ابو عثمان فرماتے ہیں میں شیخ ابو حفص کے پاس اس وقت سے بیٹھنے لگا تھا جبکہ ابھی میں نوعمر لڑکا تھا ابتداء میں اُنہوں نے مجھے نکالدیا اور فرمایا میرے پاس مت بیٹھو۔ میں نے ان کے کلام کا یہ اثر نہیں لیا کہ پیٹھ موڑ کر چلا جاؤں، بلکہ ان کے پیچھے چلنے لگا آخر کار میں ان کے پاس سے بالکل غائب ہوگیا اور یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ ان کے دروازہ کے قریب ایک کنواں کھود کر بیٹھ جاؤں اور ان کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہ نکلوں۔ چنانچہ انہوں نے جب میری یہ بات ملاحظہ فرمائی تو اپنے پاس بلا کر نہ صرف مجھے قبول کیا بلکہ میں اُن کے خاص ساتھیوں میں بھی شامل رہا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

صوفیاء کرام کے ظاہری آداب کا ایک اصول یہ ہے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے مرید اپنا سجادہ (جائے نماز) اُس وقت بچھا سکتا ہے جبکہ نماز کا وقت ہو۔ وجہ یہ ہے کہ مرید کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدمت کیلئے وقف کرے اور سجادہ نشینی آرام طلبی اور حصولِ جاہ و عزت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اصولی ادب یہ ہے کہ مرید شیخ سے اپنا حال اور اپنے فیوضات ربانی، کرامت و اجابت کو پوشیدہ نہ رکھے بلکہ اپنا وہ حال جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے شیخ کے سامنے ظاہر کر دے اور جس کے اظہار سے شرماتا ہو اُس کا اشارہ اور کنایہ سے ذکر کرے۔ کیونکہ اگر مرید کا ضمیر کسی بات کو چھپائے اور شیخ سے اپنا حال بیان نہ کرے تو اس کے باطن میں ایک

گرہ لگ جاتی ہے مگر شیخ سے اس کا اظہار کرنے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے اور اس کی اندرونی کوفت دُور ہو جاتی ہے۔

شیخ پر کامل اعتماد جب کوئی شخص شیخ کی صحبت میں بیٹھنا چاہے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ شیخ اس کی اصلاح اور تلقین کا ذمہ دار ہے اور دوسرے آدمی کے مقابلہ میں اس کی بہت اصلاح کر سکتا ہے، کیونکہ اگر وہ دوسروں کی طرف بھی نظریں جمائے رکھے تو وہ شیخ کی صحبت سے زیادہ مستفید نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا کوئی قول مؤثر بن سکتا ہے، اس لئے کہ مرید کا باطن شیخ کے رُوحانی فیض کو حاصل کرنے کیلئے تیار نہیں (فیض اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے) جبکہ وہ صرف ایک ہی شیخ کو تسلیم کرے اور اس کی فضیلت کو معلوم کر کے اس سے رُوحانی اُلفت کا تعلق قائم کرے کیونکہ محبت و اُلفت ہی شیخ اور مرید کے درمیانی تعلقات کا زبردست واسطہ ہے اور جس قدر اس میں محبت زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ رُوحانی فیض حاصل کر سکیگا۔ اس لئے کہ محبت تعارف کی علامت ہے اور تعارف ہم جنسی کی نشانی ہے اور ہم جنسی رُوحانی فیض کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابوالامامۃ الباہلی کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے کسی کو اللہ کی کتاب کی ایک آیت سکھائی تو وہ اُس کا مولیٰ ہے، اسے چاہیئے کہ وہ اسے رسوا نہ کرے اور اپنے کو اُس پر ترجیح نہ دے۔ جو ایسا کام کرتا ہے وہ اسلام کے ایک رستہ کو توڑتا ہے"۔

ادب کا ایک اصول یہ ہے کہ مرید اپنے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ کی ہدایات اور رجحانات کا خیال رکھے اور اس کے اخلاق، حلم و بُردباری پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی معمولی معمولی حرکات پر شیخ کی ناپسندیدگی کو نظر انداز نہ کرے۔

شیخ ابراہیم بن شعبان فرماتے ہیں ہم ابوعبداللہ مغربی کی صحبت میں رہتے تھے۔ ہم

سب کے سب نوجوان تھے، آپ ہمیں جنگل بیابانوں میں لیجایا کرتے تھے۔ آپکے ساتھ ایک بوڑھے شخص بھی جایا کرتے تھے جن کا نام حسن تھا، وہ آپکے ساتھ ستر برس تک رہے۔ جب ہم سے کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی جس سے شیخ کا مزاج برہم ہوتا تھا تو ہم اس بوڑھے شخص کے ذریعہ شیخ سے سفارش کراتے تھے اور وہ خوش ہو جاتے تھے۔

شیخ کی طرف رجوع آداب مریدین کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مرید اپنے روحانی واقعات اور کشف پر شیخ سے رجوع کئے بغیر اعتماد نہ کرے کیونکہ شیخ کا علم اس سے زیادہ وسیع ہے اور اس کا دروازہ خدا کی طرف زیادہ کشادہ ہے۔ اگر مرید پر خدا کی جانب سے روحانی واردات نازل ہوں تو شیخ اس کی موافقت کریگا اور اسے جاری رکھے گا کیونکہ خدا کی جانب کی کسی چیز میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شک و شبہ ہو تو شیخ کے ذریعہ اُس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے مرید کو روحانی واردات اور کشف کے بارے میں صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ روحانی واقعہ کے سلسلہ میں مرید کے اندر کوئی نفسانی ارادہ پوشیدہ ہو اور وہ پوشیدہ ارادہ روحانی واقعہ میں خلط ملط ہو جائے۔ خواہ ایسا واقعہ خواب میں پیش آئے یا بیداری میں تاہم یہ ایک عجیب و غریب راز ہے کہ مرید اس پوشیدہ و نفسانی جذبہ کی خود بخود بیخ کنی نہیں کر سکتا، اس لئے جب وہ شیخ محترم سے اس کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ مرید کی پوشیدہ نفسانی خواہش کو معلوم کر لیتا ہے۔ اگر اس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوگا تو شیخ کے ذریعہ اس کا ثبوت مل سکتا ہے اور اگر اس واقعہ کا پوشیدہ نفسانی خواہش سے تعلق ہوگا تو اس کا ازالہ ہو کر مرید کا باطن صاف ہو جائے گا اور اس کا بوجھ شیخ اٹھالیگا کیونکہ شیخ کی روحانی حالت مستحکم ہے اور نہ صرف بارگاہِ الٰہی میں اس کی باریابی صحیح ہے بلکہ معرفتِ خداوندی میں اسے کمال حاصل ہے۔

مناسب موقع کی تلاش آداب مرید کا ایک اصل یہ ہے کہ اگر مرید شیخ سے دین و دنیا

کے بارے میں کوئی بات کہنا چاہے تو شیخ سے گفتگو کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے اچانک اس کے پاس نہ پہنچ جائے بلکہ اسے شیخ کی حالت کا اندازہ لگانا چاہیئے کہ آیا وہ اس کی بات سُننے اور جواب دینے کیلئے آمادہ ہے اور بات چیت کرنے کیلئے فارغ ہے یا نہیں۔ جس طرح دُعا کیلئے مقررہ اوقات اور مخصوص آداب اور شرائط ہیں یہ بھی خدائی معاملات ہیں، لہٰذا شیخ سے کلام کرنے سے پہلے اُسے خدا سے دُعا مانگنی چاہیئے کہ وہ اسے اپنے پسندیدہ ادب کی توفیق دے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کو اس طرح ہدایت فرمائی ہے۔

سوالات کی کثرت "اے ایمان والو! جب تم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی کے وقت نذرانہ پیش کرو۔" اس آیت کی شانِ نزول میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کرنے شروع کر دیئے تھے، یہاں تک کہ وہ سوالات آپؐ پر شاق گذرنے لگے کیونکہ وہ بہت اصرار سے سوالات کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ادب سکھا کر اس بات سے روکا۔ انھیں حکم دیا کہ اس وقت تک گفتگو نہ کریں جب تک نذرانہ نہ پیش کریں۔ کہتے ہیں کہ دولت مند حضرات آپؐ کے پاس آکر محفل میں غریبوں پر اس طرح چھا گئے تھے آپؐ کو ان کی طویل گفتگو اور سرگوشیاں ناگوار معلوم ہونے لگیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے گفتگو کے وقت صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو سب لوگ گفتگو سے باز آگئے۔ غریب لوگ تو اس وجہ سے نہیں آئے کہ ان کے پاس کچھ تھا نہیں مگر دولت مند بھی بخل کی وجہ سے رُک گئے۔ بہرحال یہ صورتِ حال آپؐ کے صحابہؓ پر شاق گذری اس لئے سہولت کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "کیا تمھیں یہ بات شاق معلوم ہوئی کہ تم اپنی گفتگو کے وقت نذرانہ پیش کرو"۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا تھا تو

اس زمانہ میں حضرت علیؓ کے سوا اور کسی نے گفتگو نہیں کی تھی۔ انہوں نے ایک دینار پیش کیا جسے آپؐ نے خیرات کر دیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں قرآن پاک میں ایک ایسی آیت ہے جس پر کسی نے نہ مجھ سے پہلے عمل کیا نہ بعد میں اس پر کوئی عمل کرے گا (اس سے ان کا اشارہ مذکورہ بالا آیت کی طرف ہے) کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر پوچھا صدقہ (یا نذرانہ) میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ کتنا ہو۔ کیا ایک دینار؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا "نہیں وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے۔" آپؐ نے پھر پوچھا "کتنا؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا "ایک جبہ یا ایک جو ہونا چاہیئے۔" آپؐ نے فرمایا "تم بڑے زاہد ہو۔" اس کے بعد سہولت اور اجازت کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور پہلی آیت منسوخ ہو گئی مگر صدقہ حسن ادب اور عزت و احترام کے ساتھ گفتگو کرنے کے بارے میں جو حق تعالیٰ نے ہدایات نازل فرمائی ہیں وہ منسوخ نہیں ہوئی ہیں بلکہ ان کا فائدہ اور فیض ابھی تک جاری ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا "جس نے ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کیا، چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور ہمارے عالم کی حق شناسی نہیں کی وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔" لہٰذا علمائے کرام کا احترام کرنا توفیق و ہدایتِ خداوندی ہے اس کا ترک کرنا خسارہ اور سرکشی ہے (انتہیٰ عوارف)

انفاسِ عیسیٰ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد تحریر ہے کہ ادب کا مدار اس پر ہے کہ ایذا نہ ہو، اس کلیہ کو ملحوظ رکھو یہ مقصود ہے اور مشائخ میں اپنے ذوق سے کام لینا چاہیئے کہ ان کو کس امر میں ایذا ہوتی ہے اور کس میں نہیں۔ یہ نہ کیا جائے کہ کتابوں سے آداب دیکھ کر عمل کرنے لگے کیونکہ ہر جگہ ہر زمانہ میں امورِ ایذا بدلتے رہتے ہیں۔ نیز ادب میں غلو بھی نہ کرے کیونکہ غلو سے بھی ایذا ہوتی ہے۔

توحید مطلب ۱ | مریدین کے آداب میں ایک ضروری امر توحید مطلب ہے جو کہ سلوک کا بڑا رکن ہے جس کو یہ حاصل نہ ہوگا وہ پراگندہ حال پھریگا۔ توحید مطلب کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کے متعلق یہ یقین رکھے کہ دنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا. حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہرجائی ہمیشہ خراب ہوتا ہے اور پیروں کی نظر سے گر جاتا ہے اور ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچتا "یکدر گیر محکم گیر"۔ چنانچہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے نقل کیا کہ حضرت مولانا گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں حضرت جنیدؒ بھی ہوں اور حضرت حاجی صاحبؒ بھی ہوں تو ہم حضرت جنیدؒ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ؎

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں کہ حقیقتاً عزیز باتمیز کو اس کم نصیب کی نسبت ایسی ہی خوش اعتقادی ہے جیسے کہ حوالہ قلم کیا ہے، اگرچہ یہ کم نصیب رُوسیاہ اس قابل نہیں، مگر کثیر طالبین خدا اسی حسنِ ظن کی وجہ سے ایسے مرتبہ پر فائز ہوگئے کہ مرشد بھی اس مقام تک نہیں پہنچے۔

مرید کی شان ۲ | مرید کی ایک شان یہ ہے کہ شیخ کی مخالفت اگر اس کے کسی مشورہ میں واقع ہو گئی ہو تو جب اس پر متنبہ ہو گیا خواہ خود یا شیخ کی تنبیہ سے تو لازم ہے کہ فوراً اس کے سامنے اس امر کا اقرار کرے پھر جو سزا بھی اس کی مخالفت اور قصور پر وہ تجویز کرے اُس کو خوشی کے ساتھ تسلیم کرے۔

۳۔ مرید کے آداب میں سے ظاہری کثرت اوراد نہیں ہے یہ جماعت تو اپنے کو خطرات سے خالی کرنے میں اور اپنے اخلاق کا معالجہ کرنے میں اور اپنے قلوب سے غفلت دور

کرنے میں مشغول ہے نہ کہ تکثیر اعمال خیر میں۔ زائد اعمال کی کثرت کی بہ نسبت ذکر قلبی کا دوام ان کے لئے اکمل حالت ہے۔

عہ۴ اس طریق کے دشوار ترین آفات میں سے امارد کی صحبت ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ بھی مبتلا کیا تو تمام شیوخ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اہانت کی اور اُس کو رسوا کیا۔

عہ۵ اور مرید کی آفات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نفس میں اخوانِ طریقت پر حسد خفی داخل ہو، اور اگر اللہ جل شانہٗ نے اُس کے ہم مشربوں میں سے کسی کو اس طریق میں کوئی خاص امتیاز عطا فرمایا ہو اور خود اس سے محروم ہو تو اس امر سے اس کو تأثر ہو ایسی حالت میں اُس شخص کو سمجھ لینا چاہیئے کہ امور سب مقسوم ہو چکے ہیں۔

عہ۶ اور مریدین کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ صدارت کے درپے نہ ہو۔ نہ اس بات کے کہ کوئی ان کا شاگرد اور مرید ہو۔ کیونکہ جب بشریت کے فنا ہونے کے قبل اور آفاتِ مرید کے زائل ہونے کے بیشتر مراد ہو جائے تو وہ حقیقت سے محجوب ہے، اُس مشورہ اور تعلیم کسی کو نافع نہ ہو گا۔

عہ۷ اور مریدین کی شان میں سے یہ بھی ہے کہ طالبانِ دُنیا سے دوری اختیار کریں کیونکہ ان کی صحبت وہ زہر ہے جس کا تجربہ ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ اس شخص کا اتباع نہ کیجیئے، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔

عہ۸ اس طریق کی بنا اور مدار آداب شریعت کی حفاظت پر ہے کہ ہاتھ کو حرام اور مشتبہ کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھے (صوفیار نے فرمایا ہے کہ حلال کی طلب یوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر اس گروہ پر جو سلوک اختیار کرے ضرورت کی حد سے بھی زیادہ فرض ہے۔ ارشاد الملوک)

نوٹ:- مندرجہ بالا آٹھ نمبر تصوف و شریعت از حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب دام مجدہم سے ماخوذ ہیں۔

۹ مرید کے حق تعالیٰ کی نظر میں عزیز ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس ذلیل و خوار نظر آئے اور حق تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس عزیز نظر آئے اور اپنے عیوب پوشیدہ۔

۱۰ آخر میں **حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحبؒ کا ایک ملفوظ** تحریر کرتا ہوں فرمایا کہ سلوک کے موانع میں بہت اہم چیز شیخ بننے کی تمنا و خواہش اور اُمید ہے۔ میں نے اپنے اکابر کو دیکھا کہ جس میں یہ بُو پائی جاتی تھی اُس کی اجازت میں بہت دیر فرمایا کرتے تھے بلکہ بعض الفاظ بھی ایسے فرما دیتے تھے جس سے اس کی اُمید گر جاتی تھی۔

اجازت کے بعد بھی اپنے کو بیعت کا اہل سمجھنا نہایت مضر ہے بلکہ شیخ کی تعمیل حکم میں اپنی نااہلیت کے تصور کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ حضرت مدنیؒ کا مقولہ ہے کہ اپنے کو کون اہل سمجھتا ہے اور جو اپنے کو اہل سمجھے وہ نااہل ہے۔

آخر میں ناقل کی طرف سے ایک مشورہ

جو کہ اس اضافہ والی تحریر کا مقصد اور خلاصہ بھی ہے۔ اس کی تفصیل تو احقر نے "رسالہ محبت" میں تحریر کی ہے مختصر یہاں عرض کرتا ہوں کہ بیعت کا تعلق اور اس کے ثمرات و فوائد آپس کے (پیر و مرید) کے تعلقات محبت و عقیدت پر ہوتے ہیں۔ اس کے لئے مناسبت شرط ہے لہٰذا جو حضرات اب تک کہیں بیعت نہیں ہوئے وہ ایسے بزرگ سے بیعت ہوں جس سے مناسبت ہو سکے اور وہ اپنے شیخ کے سامنے اپنے کو پامال کر سکے مذکورہ بالا شرائط اور آداب بجا لا سکے۔ اگر مشائخ حقہ میں سے کسی بڑے کے ساتھ

مناسبت ہونے میں کچھ موانع ہوں تو چاہے کسی چھوٹے درجہ کے شیخ سے بیعت ہو جائیں بشرطیکہ شیخ کے شرائط اس میں پائے جاتے ہوں (جو کہ آپ بیتی ۷ میں مذکور ہیں) پھر توحید مطلب کے ساتھ اور پوری بندش اور جھکاؤ کے ساتھ یعنی تواضع کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونے سے بھی محرومی نہیں رہیگی "پیر من خس است اعتقاد من بس است"۔ والے قصے بھی گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر جیسے بجلی تو پاور ہاؤس سے آتی ہے اس کے ساتھ کنکشن لینے کیلئے چاہے پاور ہاؤس کے قریب والے بڑے کھمبے سے اپنا تار جوڑلے چاہے دور والے چھوٹے کھمبے سے جوڑلے مگر بندش مضبوط ہو تو پھر جتنی قوت اور صفائی کا اپنا بلب ہوگا اُتنی ہی روشنی اور کرنٹ آتا رہیگا۔

اور جو حضرات کہیں بیعت ہو چکے ہیں اور اُن میں سے کسی کو اپنے شیخ سے مناسبت طبعی نہیں ہے تو مناسبتِ عقلی پیدا کرنے کی کوشش کریں جو کہ اختیاری بھی ہے اور نفع کارآمد بھی مناسبتِ عقلی ہی پر ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ شیخ کے افعال، کمالات علمی وعملی اور احوال کا تتبع و استحضار اور اتباع کرے۔ اس میں خلاف مشرب بزرگوں کی صحبت اور ان کی تصانیف دیکھنا عارضی طور پر چھوڑنا ہوں گی۔

اپنے علاج کی خاطر اپنے شیخ سے تکبر کا چھوڑنا اور اس کا ادب کرنا تو بہت آسان بھی ہے جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر مجاہدات، ریاضات، مراقبات، مکاشفات سب بیکار، کوئی نفع نہ ہوگا بلکہ قلب منور ہونے کے بجائے سیاہ ہو جائے گا جیسا کہ حضرت حاجی صاحب کی بیان کردہ مثال چھت کی میزاب میں مٹی ٹھونس دینے کی گذر چکی۔

آخر میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے متعلق ایک نہایت ہی مبارک بات خیال میں آئی جو خصوصاً اپنے پیر بھائیوں کیلئے بہت سبق آموز اور قابل اتباع چیز ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ ظاہری و باطنی کمالات میں اپنے بچپن ہی سے ممتاز رہے جو ایسی کھُلی ہوئی اور

مشہور بات ہے کہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ نیز حضرت کی صاحبزادگی بھی اعلیٰ درجہ کی تھی کہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ کے بیٹے اور حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ کے بھتیجے۔ ان نسبتوں اور ذاتی کمالات کی بنا پر اپنے اساتذہ ومشائخ میں محبوبیت ومقبولیت بے مثال رکھتے تھے، حتیٰ کہ حضرت کے شیخ ومرشد حضرت اقدس سہارنپوری سے کسی نے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ تو فرمایا، اجی بیٹے سے بڑھ کر ہیں۔

اس سب کے باوجود حضرت نے اپنے ہم عصر مشائخ واکابر علماء کے ساتھ جو ادب و تواضع کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ کسی پیر اور مرید کے درمیان بھی مشکل ہی سے ملیگا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کے ساتھ معمولی سے تکدر کے شبہ میں جو خط وکتابت فرمائی جو کہ آپ بیتی میں درج ہے ہمارے لئے قابلِ عبرت ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر حضرت شیخ نے اپنے سارے ہم عصر مشائخ کے کمالات وخصوصیات کو اپنے اندر جذب کرکے ایک عجیب موزونیت اور جامعیت اپنے اندر پیدا کرلی اور سارے اکابر کی خیرات وبرکات کے مجموعۂ محاسن بن گئے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے احقر ناقل اور ناظرین کو اپنی محبت اور رضا نصیب فرمائے واللہ الموفق لما یحب ویرضٰی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وّاٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً برحمتک یا ارحم الرّاحمین ٥

ناقل ناکارہ محمد اقبال
مدینہ منورہ ۲۳ صفر ۱۳۹۶ھ

عروجِ اسلام کی داستان مؤرخِ اسلام علامہ واقدی کی زبانی

فتوح الشام
مکمل — اردو

عربی کی مشہور تاریخی کتاب کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ، جس میں شام و بیت المقدس کی فتوحات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ایمان افروز عظیم کارناموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مترجم

جناب مولانا حکیم شبیر احمد انصاری

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ○ لاہور ۲